فہرست

دریچے میں چہرہ اور مینڈک نما آدمی

پراسرار خط

بیش قیمت چیز

ایئر پورٹ پر تحقیقات

الماری کا سراغ

بم کا ہراس

خفیہ فیڈرل ایجنسی

پانچ چہروں والا آدمی

''تباہ کار'' گینگ کی دھمکی

زمرد کی صورت میں ادائیگی

دیوزاد خرگوش

جاسوس کشتی

بیرون ملک سے اطلاع

ایک خطرناک کھیل

حفاظتی گاڑی

خفیہ چابی

سانپ کے چکر میں

دریچے میں چہرہ اور مینڈک نما آدمی

''تمہارے ابو کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں ملا!''

یہ مشہور سراغ رساں، شہاب زیدی کے معاون، شریف میاں کی آواز تھی جسے شہاب زیدی کا بڑا بیٹا عامر وائرلیس پر سن رہا تھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار ظاہر تھے۔

میں آج چار دن سے یہاں انتظار کر رہا ہوں مگر انھوں نے فون پر بھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ شریف میاں نے مزید کہا تو عامر نے پوچھا۔

کیا آپ نے ان کے ایمرجنسی سگنل پر بات کرنے کی کوشش کی!

کوئی ایک دفعہ؟ میں نے چھ بار کوشش کی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

شریف میاں کے لہجہ میں فکر ہی نہیں ۔ دہشت کی کھنک محسوس ہوئی۔

اس خاموشی میں شاید ابو کی کوئی خاص مصلحت ہوگی۔

عامر نے جیسے اپنی تسلی کے لیے کہا۔

خدا کرے ایسا ہی ہو! شریف میاں نے جواب دیا مگر لہجہ میں بے یقینی تھی۔

بہر حال آپ کچھ دیر اور وہیں انتظار کر لیں تو بہتر ہے۔ عامر نے کہا۔

ٹھیک ہے! میں دو دن اور یہیں انتظار کر لیتا ہوں۔ جیسے ہی کوئی اطلاع ملی، میں تمہیں فوراً خبر کر دوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی شریف میاں نے ریڈیو وائرلیس بند کر دیا تو عامر نے اپنے چھوٹے بھائی عمار کو ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ ابو بارہا بے حد مشکل حالات سے گزرتے رہے

ہیں۔عمار نے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اچھا چلو! وہ لوگ ساحل پر ہمارے منتظر ہوں گے۔ عامر نے کہا اور دونوں بھائی ڈائننگ ہال میں آئے جہاں ان کی آنٹی منصورہ، ایک بڑی ٹوکری میں پکنک کا سامان لیے کھڑی تھی۔اس دن ان کے چند دوستوں نے ساحل سمندر پر پکنک منانے کا پروگرام بنایا تھا اور ہر ایک کے ذمہ چند چیزیں تیار کر کے لانا تھا۔آنٹی منصورہ اپنی عادت کے موجب لڑکوں کو کچھ ہدایات دے رہی تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی اور وہ دونوں بیرونی کمرے کی طرف دوڑے۔لائن کی دوسری طرف کسی خاتون کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی:

کیا آپ زیدی بھائیوں میں سے ایک ہیں؟ وہ پوچھ رہی تھی۔

جی فرمایئے! عمار نے جواب دیا۔

میں اس وقت ایک مشکل میں ہوں۔کیا آپ میری مدد کریں گے؟ وہ بولی۔

یقیناً! آپ فرمایئے کیا معاملہ ہے؟ عمار نے پوچھا۔

بات یہ ہے کہ میرا بھائی بیرون ملک سے آتے ہوئے پراسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔ مجھے اس سلسلہ میں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔کیا میں آپ سے آج کسی وقت......اے......اور فقرہ ادھورا چھوڑ کر رابطہ منقطع ہو گیا۔

ہیلو! ہیلو! عمار نے ایک دم گھبرا کر پکارا۔

کیا ہوا؟ عامر نے پوچھا۔

کوئی خاتون مسز سمعیہ درانی ہو سائٹی سے بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئیں جیسے کہ کوئی خلل انداز ہوا ہو۔عمار نے بتایا۔

سوسائٹی ہے؟ مسز سمعیہ درانی بتایا تم نے؟ عامر نے ریسیور عمار سے لے کر ایکسچینج کا نمبر ڈائل کیا۔ مگر اس کی پیشانی پر فکرمندی کی لکیریں گہری ہوتی گئیں اور اس نے ریسیور کو کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔

کہتے ہیں کہ سوسائٹی میں اس نام کی کسی خاتون کا نام ڈائریکٹری میں موجود نہیں ہے۔ عامر نے بھائی کو بتایا۔ وہ واپس مڑنے کو تھے کہ فون کی گھنٹی بھر بج اٹھی۔ عامر نے لپک کر فون اٹھایا۔

ہیلو! عمار زیدی ہیں؟ آواز آئی۔

جی، میں ان کا بڑا بھائی عامر بات کر رہا ہوں۔

اچھا! اچھا میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ میرے اچانک رابطہ چھوڑنے پر پریشان ہوئے ہوں گے۔ دراصل میں بات کرتے کرتے نگاہ اٹھائی تو سامنے دریچے میں کسی شخص کا چہرہ نظر آیا۔ اوپر کی منزل کے دریچے میں ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر میں ڈر گئی۔ دیکھا تو پینٹ کرنے والا تھا۔ جو اپنا زینہ اور رنگ روغن کا ڈبہ اٹھائے دوسرے طرف چلا گیا۔ اس نے اطمینان سے بتایا۔

کیسا آدمی تھا وہ؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ پینٹ کرنے والا ہی تھا؟ عامر نے پوچھا۔

لمبی لمبی نیچے کو جھکی ہوئی مونچھیں تھی اس کی۔ چہرے پر کئی زخموں کے نشان تھے اور یقیناً وہ پینٹ والا ہی ہوگا۔ ورنہ تو اسے سیڑھی اور روغن کا ڈبہ لیے پھرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مسز درانی نے بذات خود سوال کر دیا۔

بہرحال آپ ذرا معلوم تو کریں کہ کیا سچ مچ اسے مالک مکان نے پینٹ

کرنے پر مقرر کیا تھا؟ عامر نے کہا۔

اچھا، اگر آپ اس بات کو اتنا ہی اہم سمجھتے ہیں تو میں پوچھ لیتی ہوں۔ آپ ہولڈ کریں۔ چند منٹ کے وقفہ پر دوسری طرف پھر آواز آئی۔

آپ کا شبہ ٹھیک تھا کسی کو اس کام پر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی میرے کمرے کے دریچوں پر پینٹ کیا گیا ہے۔ اس کی آواز میں پریشانی نمایاں تھی۔

میں رات بھر مارے پریشانی کے سو نہیں سکی۔ میرے بھائی نے کل شام کی فلائیٹ سے آنا تھا مگر وہ گھر نہیں پہنچا تو میں بہت فکرمند ہوں۔ مجھے آپ وقت دیں میں کب آ کر آپ سے بالمشافہ بات کروں؟ وہ پوچھ رہی تھی۔

محترمہ! اس وقت تو ہم لوگ باہر جا رہے ہیں۔ کچھ دوستوں کے ساتھ تفریح کا پروگرام بنایا ہے وہ ہمارے منتظر ہوں گے۔ آپ تین بجے سہ پہر تشریف لے آئیں۔

عامر نے کہا تو عورت نے شکریہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ عامر بھائی کو مسز درانی کی گفتگو بتاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو آنٹی منصورہ نے ان کی طرف گھور کر دیکھا۔

ہوں! تو کوئی نیا مخمصہ وارد ہو گیا؟ اب کیا قصہ ہے؟

وہ اسی طرح خفگی اور ناپسندیدگی جتانے کے انداز میں ان کے کاموں میں دلچسپی لیا کرتی تھیں۔ لڑکوں نے انہیں مختصر لفظوں میں معاملے کی نوعیت بتائی تو وہ لمحہ بھر کچھ سوچ کر بولیں۔

اگر اس آدمی کو پینٹر سمجھتی ہے تو احمق ہے وہ عورت! وہ یقیناً کوئی غنڈہ ہے عین ممکن ہے کہ وہ اس کے بھائی کو اغوا کرنے والوں ہی کا آدمی ہو اور ٹوہ لگانے آیا ہو

کہ اس عورت کی مالی حیثیت کیا ہے اور وہ اپنے بھائی کے عوض کتنی رقم ادا کرنے کے قابل ہے۔

آپ کا خیال بالکل درست ہے آنٹی! عامر نے تائید کی تو وہ مسکرائیں۔

آخر ہیں نا عامر اور عمار زیدی کی پھپھو! عامر نے لاڈ سے کہا۔

اور شہاب زیدی کی بہن! وہ خود ہنس کر بولیں اور اس قدر خوش ہوئیں کہ مزید ہدایات دینا بھول گئیں لڑکے خوشی خوشی رخصت ہوئے۔

ساحل پر سب دوست ان کے منتظر تھے۔ انھوں نے دیر ہونے پر معذرت چاہی اور ادھر اُدھر کی باتوں میں لگ گئے۔ اور لوگ بھی آجا رہے تھے مگر زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ کچھ لڑکوں نے نہانے کی تجویز پیش کی۔ ٹھیکے دار ندیم صاحب کا بیٹا عرفان اور ایک نیا دوست حاصم ''سوئمنگ کوسٹیوم'' پہن کر سب سے پہلے پانی میں کود گئے۔ بابر، عامر اور عمار کپڑے تبدیل کر کے ساحل ک طرف گئے ہی تھے کہ ہاشم اور ٹونی کے چلانے کی آواز آئی۔

دیکھو، دیکھو یہ کسی نے ریت میں کیا بنا رکھا ہے؟

لڑکے قدم بر داشتہ اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ گیلی ریت میں ''خطرہ کا نشان'' یعنی کھوپڑی اور اس کے اوپر دو ہڈیوں کا کراس بنا ہوا تھا۔ سب ہنسنے لگے اور اس نشان کو کسی نے کوئی اہمیت نہ دی۔

چند قدم اور آگے بڑھے تو ریت پر مینڈک کی بڑی سی شکل بنی ہوئی تھی جسے دیکھ کر عامر ٹھٹھک گیا اور بولا۔

دیکھو! عمار یوں لگتا ہے جیسے یہ شکل کسی نے ابھی ابھی بنائی ہے۔ حالانکہ جب

سے ہم لوگ آئے ہیں اس حصہ میں کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔

ویسے یہ شکلیں بے مقصد نہیں ہیں۔ کچھ نہ کچھ مطلب ضرور ہے ان کا۔ عمار نے جواب دیا اور دونوں کچھ سوچتے ہوئے ساحل کی طرف بڑھے مگر ابھی پانی میں چھلانگ لگانے نہ پائے تھے کہ عاصم کے چلانے کی آواز پر متوجہ ہوئے۔ وہ مدد کے لیے پکار رہا تھا۔

اسے کیا ہوا؟ عامر نے بدحواس ہو کر پوچھا

مذاق کر رہا ہے۔ عمار نے ہنس کر کہا۔

احمق نہ بنو! اس کے نیچے کھنچے جانے کا انداز اور پھر آواز میں صریحاً دہشت کو محسوس نہیں کیا تم نے؟ وہ خطرے میں ہے۔

اتنا کہہ کر عامر نے چھلانگ لگائی اور عاصم کی طرف تیزی سے بڑھنے لگا۔ عاصم کا سر دوبارہ سطح پر ابھرا مگر پھر لہروں میں غائب ہو گیا۔ عامر نے اس مقام پر پہنچ کر پانی میں بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر عاصم کا کہیں نشان نہ پایا۔ اتنے ہی میں عمار نے دیکھا کہ عاصم ایک چٹان کی اوٹ تیرتا ہوا آ رہا ہے اسے ساحل کی طرف بڑھتے دیکھ کر سب لڑکے بھی واپس آ گئے اور اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

یہ کیا مذاق تھا عاصم؟ عرفان نے خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔ مگر عاصم نے کنارے پر پہنچ کر اپنا نیم جاں جسم ریت پر ڈال دیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ عامر نے اسے کے تلوے سہلاتے ہوئے اسے تسلی دی اور چند منٹ بعد جب اس کے حواس درست ہوئے تو وہ بتانے لگا کہ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی اور اسے کھینچ کر کبھی نیچے لے جاتا کبھی اوپر ابھرنے کے واسطے ڈھیلا چھوڑ دیتا۔ چٹان کے پیچھے

جا کر اس نے اپنا سر پانی سے باہر نکالا تو اس کا چہرہ بالکل مینڈک جیسا تھا اور اس نے گہرے نیلے رنگ کی ''کوسٹیوم'' پہن رکھی تھی۔ یقیناً اس نے مینڈک کی شکل کا ماسک پہن رکھا ہوگا۔

عاصم کے اس بیان پر عامر کو ریت پر بنے ہوئے ان نشانات کا خیال آیا۔ ضرور وہ بھی اسی شخص کی شرارت ہوگی! مگر وہ کیسے ہراساں کرنا چاہتا ہے۔ یہی خیال رہ رہ کر دونوں بھائیوں کے ذہن کو الجھا رہا تھا۔ سب لڑکے دور دور تک پھیل گئے اور ساحل پر ادھر اُدھر بکھرے ہوئے لوگوں سے کسی نیلی کوسٹیوم والے شخص کا پوچھتے رہے۔ مگر کسی نے بھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا تھا جسے نے گہرے نیلے رنگ کی کوسٹیوم پہن رکھی ہو۔

وہ یقیناً پہاڑوں کی اوٹ لے کر دور جا نکلا ہوگا۔ عمار نے قیاس ظاہر کیا۔ نہانے اور تیرنے کا پروگرام ادھورا چھوڑ کر سب کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کیونکہ دوڑ دھوپ کی وجہ سے خوب بھوک لگ گئی تھی۔ ہر ایک اچھی اچھی ڈشیں بنوا کر لایا تھا۔ دستر خوان سجایا گیا تو اچھا خاصا دعوت کا سماں تھا۔ سب ہنستے بولتے خوب ڈٹ کر کھا رہے تھے۔ اس کے بعد عمار نے اپنا کیمرہ سنبھالا اور تصویریں اتارنے لگا۔ گروپ میں، دو، دو اکیلے اکیلے، چٹان پر، پانی میں، کئی سنیپ لے ڈالے۔

اس چھوٹے سے ناگوار واقعہ کے باوجود خوب لطف رہا اور لڑکوں نے اس تقریب سے بہت حظ اٹھایا۔ جب سائے ڈھلنے لگے تو عامر نے کہا۔

وہ خاتون تین بجے پہنچ جائے گی۔ اب ہمیں چلنا چاہیے عمار!

ٹھہرو بھئی! مجھے آنٹی منصورہ کے سب برتن تو پورے کر لینے دو۔ تمہیں معلوم

ہے نا ایک چمچ بھی کم ہوگیا تو وہ میرے کان کھینچ ڈالیں گی۔ اس پر سب نے قہقہہ لگایا اور اپنے اپنے سامان کو درست کرنے لگے۔

گھر پہنچ کر عمار نے بھائی سے کہا۔

تم مسز درانی کا انتظار کرو۔ میں اس وقفے میں تصویریں تیار کر لوں۔ بہت مدت سے یہ ریل کیمرے میں لگی تھی۔ خدا خدا کر کے آج کہیں ختم ہوئی ہے۔ اتنا کہہ کر عمار اپنی لیبارٹری میں چلا گیا اور عامر آنٹی منصورہ کو پکنک کا حال سنانے لگا۔ منصورہ بہت دلچسپی سے سنتی رہی، پھر چائے تیار کرنے کچن میں چلی گئیں۔ اتنے میں ہی عمار تصویروں کو حیرت آمیز غور کے ساتھ گھورتا ہوا کمرے میں آیا۔

کیا ہوا؟ تم تو یوں دیکھ رہے ہو جیسے تصویروں میں لوگوں کی دم لگ گئی یا سینگ نکل آئے۔ اس نے ہنس کر کہا۔

اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات......! اکٹھے پانچ اجنبی آدمیوں کی تصویریں نکل آئیں جن کی میں نے کبھی تصویر لی ہی نہیں۔

اور عمار نے پانچ تصویریں عامر کو تھما دیں۔ یہ سب یکسر اجنبی چہرے تھے اور ان میں ایک کی مونچھیں لمبی اور ہونٹوں پر نیچے کو جھکی ہوئی تھیں۔

پراسرار خط

میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا کہ یہ کیا اسرار ہے۔ یہ تصویریں خود بخود کیسے پیدا ہو گئیں۔! عامر نے واقعی حیرت سے کہا اور عمار تو مارے حیرت کے چپ کھڑا تھا۔

بھئی یاد تو کرو۔ شاید تم نے کسی کی تصویریں اتاری ہوں اور بھول گئے ہو؟ عامر نے پوچھا۔

اب ایسا بھی گیا گزرا حافظہ نہیں ہے میرا۔ میں اتنا یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ تصویریں کہیں باہر اتاری گئی ہیں اور آج سے پہلے کسی دن اتاری گئی ہیں۔ عمار بولا۔

یاد کرو، کیمرہ کبھی تم نے گھر سے باہر چھوڑا ہے۔ عامر نے پھر پوچھا۔

جب سے یہ نئی فلم ڈالی ہے کیمرہ مسلسل ڈرائنگ روم میں پڑا رہا ہے۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر چونک سا پڑا،

اب کیا ہوا؟ عامر نے استفسار کیا۔ عمار کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں اس فلم پر ابھی ایک بھی تصویر نہیں تھا مگر آج ساحل پر میں نے دیکھا کہ کیمرہ چھٹے نمبر پر تھا۔ اس وقت میں خیال ہی نہیں کیا۔ عمار نے انکشاف کیا۔

اس کا مطلب ہے کہ گھر میں آکر کوئی شخص کیمرہ اٹھا لے گیا عامر نے سوال کیا۔

میرا خیال ہے بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ ہم نے پچھلے ہفتہ عشرہ سے الارم سسٹم بھی تو ہٹا رکھا ہے نا۔ بڑی آسانی سے کوئی ڈرائنگ روم تک آ سکتا ہے۔ عمار نے

جواب دیا۔

یہ ہماری بہت بڑی غلطی تھی۔ الارم سسٹم سے غافل رہنا مناسب نہ تھا۔ عامر نے تسلیم کیا۔ عمار ایک بار پھر تصویروں کو دیکھ رہا تھا۔

پہلے میں نے سوچا کہ گھر کے اندر ہی کھینچی گئی ہیں لیکن ان کا پس منظر مبہم سا ہے اور کلوز اپ میں اتاری گئی ہیں۔ اس نے پانچوں فوٹو عامر کی طرف بڑھاتے ہوئے رائے دی۔ عامر نے بھی ایک ایک کا دوبارہ جائزہ لینا شروع کیا۔

ارے! یہ لمبی اور نیچے کو گری ہوئی مونچھوں والا کہیں مسز درانی والا پینٹر ہی تو نہیں۔ عامر نے ایک تصویر پھر واپس عمار کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

عین ممکن ہے! عمار نے بھی چونکتے ہوئے کہا۔

یہ دوسرا کوئی بوڑھا سا آدمی ہے جو موٹے شیشوں والی عینک کے پیچھے بھینگی آنکھوں کے ساتھ کیمرے کو گھور رہا ہے۔ یہ ملاحوں والی ہاتھ کی بنی ٹوپی اور نیچے گلے کی جرسی پہنے سیاہ فام آدمی بالکل حبشی لگتا ہے۔ تیسرا پروفیسر معلوم ہوتا ہے اور چوتھا تو اچھا خاصا پہلوان ہے۔ عامر نے باری باری ہر فوٹو کو دیکھ کر جائزہ پیش کیا۔

عمار نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ نیچے کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں سن کر کان کھڑے کرتے ہوئے بولا۔

لو آئی آفت! اور ساتھ ہی باہر ہانپتا ہوا اور چٹکی میں ایک لمبے لفافے کا کونا پکڑے جھلا رہا تھا۔ کیا ہو رہا ہے دوستو؟ اس نے کرسی پر گرتے ہوئے کہا کس کی تصویریں ہیں؟

تم تصویروں کو چھوڑو۔ اپنے خرگوشوں کا حال سناؤ۔ عمار نے اسے چھیڑنے کو

کہا۔

باہر ان دونوں بھائیوں کا دوست تھا۔ بڑا مخلص اور سادہ لوح، پرخوری اور موٹاپے کی وجہ سے عمار اسے ہمیشہ چھیڑا کرتا تھا۔ بابر کے والد کا ایک بہت وسیع فارم تھا۔اور بابر کو مرغیاں اور خرگوش پالنے کا شوق تھا۔

میری بھورے رنگ کی خرگوش نے بڑے پیارے پیارے سے چھ بچے دیئے ہیں۔آنا تمہیں دکھاؤں گا۔ اس مرتبہ ساری کھیپ بڑے پیارے خرگوشوں کی ہو گی۔عامر نے دیکھا کہ خرگوشوں کا ذکر چلا تو بابر اپنی آمد کے اصلی سبب کو بھول ہی جائے گا۔وہ لفافہ اس نے گود میں رکھ چھوڑا تھا۔اس لیے عامر نے پوچھ لیا۔

یہ لفافہ کیسا لائے ہو؟

ارے ہاں سچ! یہ لفافہ ایک آدمی گھر پر دے گیا تھا کہ چچا جان آ گئے ہوں تو انہیں پہنچا دیا جائے۔بابر چونک کر بولا اور لفافہ عامر کی طرف بڑھا دیا۔عامر نے نگاہ ڈالی:

شہاب زیدی (بے حد ضروری) باب،BOB۔

عمار نے بھی بھائی کے کندھے پھر جھک کر لفافے کے اوپر لکھی تحریر کو پڑھا۔

یہ باب کون ہوسکتا ہے؟اس نے پوچھا۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔!عامر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

بابر تمہیں یہ لفافہ کس نے دیا؟ عمار نے پوچھا۔

رات کو کوئی اجنبی گاڑی میں آیا اور کہنے لگا۔یہ خط بے حد ضروری ہے اس لیے ڈاک میں نہیں بھیجا۔اور اس نے مجھے تاکید کی کہ صبح دستی پہنچا دوں اور ہاں اس نے

یہ بھی کہا کہ وہ یہاں آیا مگر آپ لوگ گھر پر نہ تھے۔

بابر نے بتایا تو دونوں بھائی چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

یہ ضرور کوئی چکر ہے کیونکہ ہم کل شام کہیں نہیں گئے۔عامر کہنے لگا۔

خط پر اشد ضروری لکھا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ہم نہ تو اسے کھول سکتے ہیں نہ ابو تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہی نہیں ابو ان دنوں ہیں کس جگہ؟ عمار نے بھائی سے کہا۔

بابر! بتا سکتے ہو وہ آدمی کیسا تھا؟ عامر نے پوچھا۔تو بابر کچھ گومگو کے عالم میں سوچنے لگا۔

کچھ ٹھیک کہہ نہیں سکتا۔ مگر دیکھو تو پہچان سکتا ہوں۔

عمار نے جلدی سے وہ پانچوں فوٹو اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

بھلا دیکھو تو ان میں سے کوئی ہے۔

بابر نے تصویروں پر نگاہ ڈالی اور فوراً ہی ایک کو الگ کرتے ہوئے کہا یہ رہا وہ آدمی!

دونوں بھائیوں نے بے صبری سے تصویر اس کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔ دیکھا تو وہ جھکی ہوئی مونچھوں والا ہی تھا۔

ابھی وہ مزید سوالات کرنا چاہتے تھے کہ بابر نے بڑا سا رومال جیب سے کھینچا اور پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔

بھئی کچھ پینے کو مل جائے گا۔ میرا تو حلق خشک ہو رہا ہے اور تم لوگ **مسلسل** سوال کیے جاتے ہو۔

عامر اور عمار اسے لے کر ڈائننگ ہال میں آ گئے۔ آنٹی منصورہ کمرے کی صفائی میں لگی تھیں۔ چڑ کر بولی۔ بھئی لڑکو! پیر اچھی طرح صاف کر کے آنا۔ کیا چاہیے تمہیں؟

پھپھو! آپ کو یہ تصویریں دکھانی تھیں اور یہ ضروری خط ابو کے نام آیا ہے؟ اتنا کہہ کر عامر نے تصویریں آنٹی کے ہاتھ میں تھما دیں اور تینوں میز کے گرد بیٹھ گئے۔

انہیں معلوم تھا کہ آنٹی اخلاقاً خود ہی مہمان کو کچھ پینے کو دیں گی۔ منصورہ تصویریں دیکھنے لگیں اور عامر ان کی کیفیت بیان کرنے لگا۔

یہ نام...... باپ میں نے انہی دنوں کہیں دیکھا یا پڑھا ہے۔ مگر میرے ذہن میں اس وقت نہیں آ رہا کہ کہاں؟ لیکن ایک بات میں یقین سے کہ سکتی ہوں کہ اس سارے اسرار کے پیچھے یہ شخص ہے۔ یہ لمبی مونچھوں والا...... جیسے کسی بھینس کے سینگ لٹک رہے ہوں۔

اس تشبیہ پر لڑکے بے اختیار قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ آنٹی منصورہ اس معاملے پر رائے زنی کے ساتھ ساتھ شکنجبین بنا کر میز پر لے آئیں اور لڑکے مزے لے لے کر پینے لگے۔ بابر تو آنٹی کے ہاتھ کی بنی ہوئی شکنجبین بہت ہی خوش ہو کر پیتا تھا۔ اس وقت بھی تین گلاس پی گیا اور آنٹی اپنی عینک کے اوپر سے دیکھتی رہ گئیں۔

بیش قیمت چیز

اتنے ہی میں بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی اور عمار کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

میرا خیال ہے۔مسز درانی آ گئیں۔

اس کے پیچھے ہی عامر اور رابر بھی ڈرائنگ روم میں آ گئے۔عمار کا خیال درست نکلا۔واقعی یہ مسز درّانی تھیں۔مسز درّانی کوئی تیس بتیس سال عمر کی خوش شکل سی گداز بدن کی خاتون تھیں۔وہ بہت گھبرائی ہوئی اور خاصی بے چین سی تھیں۔رسمی تعارفی فقروں کے بعد وہ صوفے کے ایک گوشے میں دھنس گئیں اور کچھ بولنے کے لیے اپنی آواز اور جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگیں۔وہ پرس میں سے رومال نکال کر آنکھوں کے بھیگے ہوئے گوشے پونچھ رہی تھیں۔عامر نے انہیں تسلی دیتے ہوئے بات شروع کی۔

محترمہ! ہمیں آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔مگر اس وقت ٹھوس حقائق کا سامنا کرنے کے لیے فوری عملی کارروائی کی ضرورت ہے۔اس لیے اپنا سکون بحال کر کے آپ ہمیں سارے کوائف سے آگاہ کریں۔کہاں سے آ رہے تھے آپ کے بھائی؟

شارجہ سے......مسز درّانی نے گھٹی ہوئی آواز میں بتایا۔

اور پھر سسکیوں کے درمیان جو کچھ انہوں نے بیان کیا اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

مسز درّانی دو سال پہلے بیوہ ہو گئیں۔ان کا شوہر انسر درّانی ان کا چچا زاد تھا۔

جس کے حالات اچھے نہ تھے۔ اس لیے شوہر کی وفات کے بعد وہ اپنے اکلوتے بھائی کے پاس چلی آئی۔ اس کے بھائی ابرار درانی نے شادی نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ سیر وسیاحت کا دل دادہ تھا۔ اس لیے آزاد رہنا چاہتا تھا۔ وہ ہمیشہ دور دراز ملکوں میں گھومنے پھرنے نکل جاتا تو مہینوں لاپتہ رہتا۔ اس مرتبہ بھی کئی مہینے کے بعد تین روز پہلے اس کا ٹیلی فون آیا کہ وہ تیسرے روز شام کی فلائیٹ سے پہنچ رہا ہے اور شارجہ کے ہوٹل الخضر سے فون کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ کوئی بہت قیمتی چیز لے کر آ رہا ہے۔ اس لیے چاہتا ہے کہ کوئی معتبر آدمی ایئر پورٹ پر اسے لینے آ جائے۔

آپ کو معلوم ہے کہ وہ قیمتی چیز کیا تھی۔

جواب میں مسز درّانی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ ایسی چیز ہے جسے دیکھ کر میں حیران رہ جاؤں گی۔

پھر آپ نے کسی بھروسے کے آدمی کو بھیجا۔ عامر نے سوال کیا۔

میرے ایک دور کے رشتہ دار ہیں شہباز خاں۔ اس کی جیولری کی بہت بڑی فرم ہے۔ میں نے انہیں فون کر کے کہا ابرار کو ایئر پورٹ پر لینے پہنچ جائیں۔ انھوں نے فلائیٹ کے بعد مجھے فون پر بتایا کہ ابرار پہنچا ہی نہیں۔ حالا کہ اس نے مجھے یقینی طور پر بتایا تھا وہ اسی فلائٹ پر آئے گا۔ یہ کہتے کہتے مسز درّانی آواز بھر بھر آئی۔ اور میں رات بھر کے انتظار میں بیٹھی رہی کہ شاید شہباز خاں کا آدمی اس کو نہ مل سکا ہو اور وہ خود ہی نکل آیا ہو۔ آخر مایوس ہو کر صبح میں نے آپ کو فون کیا۔

آپ نے شہباز خاں سے پوچھا کہ ایئر پورٹ پر کون گیا تھا؟ عامر نے

پوچھا۔

انھوں نے اپنی فرم کے مسلح پہرے دار کو بھیجا تھا۔اس نے جواب دیا۔

تو ان کا کہنا ہے کہ ابرار صاحب اس فلائٹ پر آئے ہی نہیں؟ عمار نے پوچھا تو مسز درّانی نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔

یہی تو زیادہ پریشان کن مسئلہ ہے کہ کوئی بات یقینی نہیں۔پہرے دار کا کہنا ہے کہ تمام لاؤنج خالی ہو گیا تو انھوں نے دفتر جا کر پوچھا۔کاؤنٹر پر کلرک نے بتایا کہ ابرار درانی مسافروں میں موجود تھا۔مگر جب پبلک ایڈریس سسٹم پر ان کا نام پکارا گیا تو وہ منظر پر نہ آئے۔

تو ان کے سامان کا کیا ہوا؟ عامر نے پوچھا۔

سامان بھی وصول کر کے لے لیا گیا تھا۔وہ بولیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے چوکیدار کو تلاش کرنے کی زحمت ہی نہیں کی اور ضروری کارروائی نمٹا کر خود ہی چلے گئے......اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب گھر نہیں پہنچے تو گئے کہاں؟ عمار نے کہا۔

جی ہاں! یہی تو سارا مسئلہ ہے۔مسز درّانی بولیں۔

آپ کچھ قیاس دوڑا سکتی ہیں کہ انھوں نے ایسا طرز عمل کیوں اختیار کیا؟ کوئی ایسی جگہ آپ کے خیال میں ہو سکتی ہے جہاں وہ گھر کے علاوہ جا سکتے ہیں؟ عمار نے سوال کیا۔

ابرار ہمیشہ سے وقت اور وعدے کا پابند رہا ہے۔شہر میں ہوتے ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رات باہر گزاری ہو یا چند گھنٹوں سے زیادہ غیر حاضر رہا ہو۔یہی

بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر کیا ہوا ہے!

تھوڑی دیر ناگوار سی خاموشی چھائی رہی کہ اچانک عامر نے پوچھا۔

ہماری مدد چاہنے کا خیال آپ کو کیونکر آیا مسز درّانی؟

میں نے آپ دونوں بھائیوں کے دل چسپ کارنامے اکثر اخباروں میں پڑھے ہیں اور پھر میرے ذہن میں ابرار کی یہ اطلاع ابھی تازہ ہی تھی کہ وہ مشہور سراغ رساں شہاب زیدی سے شارجہ کے ہوٹل الخضر میں ملا ہے۔ میں نے سوچا تھا شاید زیدی صاحب نے میرے بھائی کے متعلق تم سے کوئی بات کی ہو۔ جس سے اس واقعہ گمشدگی پر کچھ روشنی پڑے۔

مسز درّانی کے اس انکشاف پر دونوں بھائی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

وہ شارجہ میں ابو سے ملے؟ عمار نے واضح حیرت کے انداز میں پوچھا۔

کیوں؟ آپ کو علم نہیں۔ کہ آپ کے والد ان دنوں شارجہ میں ہیں؟ اب حیران ہونے کی باری مسز درّانی کی تھی۔ گر اس پر لڑکے خاموش رہے۔

تو آپ کے والد صاحب نے میرے بھائی کے متعلق کوئی بات نہیں کی؟

اس نے پھر سوال کیا۔ عامر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے ٹیلی فون سے پہلے ہمیں آپ کے بھائی کے نام کا پتہ بھی نہ تھا۔ عمار نے بھائی کی طرف استفسار کی نگاہ ڈالی اور وپ پر اسرار تصویریں مسز درّانی کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا۔

دیکھئے آپ ان میں سے کسی کو پہچانتی ہیں؟

مسز درّانی نے ایک ایک کر کے تصویروں کو دیکھا اور لمبی مونچھوں والے کی تصویر کو چند لمحے غور سے دیکھنے کے بعد کہا۔ نہیں...... پہلے مجھے خیال گزرا تھا کہ یہ تصویر شاید اس آدمی کی ہے جسے صبح میں نے کھڑکی میں دیکھا تھا۔ مگر نہیں اس کے بال زیادہ گہری رنگت کے تھے اور رخسار پر زخم کا نشان تھا۔

بہرکیف آپ نے اس کے متعلق کچھ مزید پوچھ گچھ کی؟ عامر نے پوچھا۔ ہاں میں نے بلڈنگ کے مالک سے بات کی تو اس نے کہا کہ کسی کو بھی پینٹ کرنے کے واسطے مقرر نہیں کیا گیا۔ اور اس نے پولیس میں خبر بھی کر دی تھی کہ کوئی مشتبہ آدمی بلڈنگ کے کمروں میں تانک جھانک کرتا پایا گیا ہے''۔ مسز درانی نے جواب دیا۔

کیا آپ ہمیں ابرار درانی کی کوئی تصویر دے سکتی ہیں؟

عامر نے کہا۔ مسز درانی نے اپنے پرس سے ایک کارڈ سائز کی تصویر نکال کر اسے پکڑائی...... یہ ایک قد آور اور صحت مند آدمی کی تصویر تھی جس کی داڑھی اور اس کے بال سرخی مائل سنہری تھے۔ لڑکوں نے مسز درّانی کو تسلی دی کہ وہ پوری کوشش کر کے اس کے گم شدہ بھائی کا سراغ لگائیں گے۔

آپ ہمیں شہباز خاں صاحب کا پتہ اور فون نمبر دیں۔ عمار نے پتہ اور فون نمبر لکھا اور مسز درّانی رخصت ہوئیں۔ عامر نے مسز درّانی کے دیئے ہوئے کارڈ پر نمبر ڈائل کیا۔ فرم کے مالک شہباز خاں نے ریسیور اٹھایا تو عامر نے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے بتایا کہ دفتر سے اٹھنے ہی والا تھا مگر اب آدھ گھنٹا مزید ٹھہر کر ان کا انتظار کرے گا۔

دونوں بھائی فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ چھ بج چکے تھے۔ جب وہ اپنی گاڑی کا کچھ فاصلے پر پارک کر کے دفتر کی طرف بڑھے۔ پروپرائٹر کی تختی پر لکھا دیکھ کر کمرے میں داخل ہوئے وہ ان کا منتظر تھا۔ اس نے بڑی شفقت سے خوش آمدید کہا اور کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ مگر عمار کو خبر نہیں کیا ہوا کہ ایک دم مڑا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

شہباز خاں اور عامر حیرت زدہ سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

یہ آپ کے بھائی صاحب کو کیا ہوا؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مگر یقیناً اس کے یوں اچانک دوڑ کر باہر جانے کی ضرور کوئی معقول وجہ ہوگی۔ عامر نے کندھے اچکائے۔

چند منٹ ناگوار سی خاموشی چھائی رہی۔ آخر عمار پسینے میں شرابور واپس آیا۔

معذرت چاہتا ہوں صاحب! میں نے کھڑکی سے باہر ایک شخص کو دیکھا۔ میں چاہتا تھا کہ اسے گھیر کر قابو میں کر لوں مگر وہ غائب ہو گیا۔ اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بتایا۔

''کون تھا وہ؟'' عامر نے پوچھا۔

''وہی لمبی مونچھوں والا'' عمار نے جواب دیا۔

ایئر پورٹ پر تحقیقات

شہباز خاں حیران ہو کر ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عمار نے مختصر طور پر تمام واقعات بیان کر دیئے اور پھر عمار کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا۔ وہ کالے بالوں والا تھا یا بھورے بالوں والا؟''

''کالے بالوں والا...... ! غالباً وہی جو مسز درانی کے ہاں پینٹر کے بھیس میں گیا تھا۔'' عمار نے جواب دیا۔ اس کے بعد لڑکوں نے شہباز سے ابرار درانی کے متعلق سوال شروع کیے تو اس نے جواب میں وہی کچھ بیان کیا جو مسز درانی بتا چکی تھیں۔ اس سے زیادہ وہ صورت حال پر کچھ روشنی نہ ڈال سکا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد عامر نے پوچھا۔

''آپ کچھ قیاس دوڑا سکتے ہیں کہ مسٹر درانی جب ایئر پورٹ پر اترے تو آپ کے بھیجے ہوئے محافظ کو کیوں نہ ملے۔ یا پھر اسے نہ پہچاننے کی صورت میں گھر کیوں نہیں پہنچے؟

''بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں! ممکن ہے وہ آیا ہی نہ ہو۔'' شہباز نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ اس معاملہ کو کچھ خاص اہمیت ہی نہ دے رہا ہو۔ ''نہیں! وہ آئے تو ہیں مسز درانی کی معلومات کی رو سے ان کا سامان بھی وصول کیا جا چکا ہے۔'' عمار نے چونک کر کہا۔

''پھر تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ایمنشیا (نسیان) کا مریض ہو گا کہ نہ اسے یاد رہا ہو کہ اس نے خاص طور پر محافظ کو ایئر پورٹ پر بلوایا ہوا ہے اور نہ ہی گھر کا راستہ یاد رہا

ہو۔شہباز نے دل لگی کے انداز میں کہا تو عامر سنجیدہ ہوگیا اور قدرے تلخی سے بولا۔

صاحب آپ تو مزاق سمجھ رہے ہیں۔حالانکہ معاملہ بے حد سنجیدہ نوعیت کا ہے .....مسز درانی بے حد پریشان ہیں۔''مسز درانیہ بتارہی تھیں کے آپ ان کے رشتہ دار ہیں''۔عمار نے بھی حیران ہوکر پوچھا تو شہباز سنجیدہ ہوگیا۔''میاں میرا رشتہ تو ان سے اتنا قریبی نہیں ہے مگر ان کی اس موجودہ پریشانی میں مجھے ان سے دلی ہمدردی ہے۔نہ ہی میں مذاق کررہا ہوں۔مگر آپ ہی بتائیں میں اس معامہ میں ان کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔ان کے کہنے پر میں نے اپنا آدمی ائیر پورٹ پر بھیج دیا تھا مگر ابرار اس سے نہ مل سکا اور میں نے یہ جو ایمنشیا (نسیان)والی بات کہی یہ واللہ مذاق نہیں ہے۔میں کئ ایسے کیس دیکھے ہیں کہ خود فراموشی کی اس بیماری کے مریض اپنا نام تک بھول جاتے ہیں۔

آپ کہہ رہے ہیں تو ضرور ایسا ہوتا ہوگا مگر ہمارے علم میں کبھی کوئی ایسا کیس نہیں آیا۔عمار نے بے یقینی سے کہا۔

آپ ابھی بچے ہیں۔آپ کے والد صاحب کے علم میں ایسے کئ کیس آچکے ہوں گے۔شہباز نے جواب دیا۔

باتیں کرتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے عجیب ساخت کے پین سے کھیل رہا تھا جس کا جیب میں لگانے کا کلپ اس طرح اندر کو مڑا ہوا تھا جیسے کسی پستول کا ٹریگر ہوتا ہے۔

آپ کا قلم بڑی نرالی ساخت کا ہے! کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟

عامر نے کہا تو شہباز نے قلم والا ہاتھ آگے بڑھا دیا اسے خود پکڑے رہا ہے

جیسے خدشہ ہو کہ کوئی اسے اڑا لے گا یا اس کے مشاہدہ سے خود ایسا ہی قلم بنا لے گا۔

یہ میری اپنی ایجاد ہے در حقیقت یہ گیس سپرے کا آلہ ہے۔ اسے دبانے سے بے ہوش کر دینے والی گیس خارج ہوتی ہے۔ اس نے کئی نازک مرحلوں پر میری مدد کی ہے۔ شہباز نے بڑے فخر سے بتایا۔

خوب! عامر نے داد دی۔ اتنے میں ایک باوردی ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

یہی ہے وہ شخص جسے میں نے ابرار کے لیے ایئر پورٹ بھیجا تھا۔ صابر نے بتایا۔

عامر اور عمار نے اس شخص سے بھی سوالات کیے مگر کچھ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا اور ان کی معلومات میں ذرا بھر اضافہ نہ ہوا۔

صاحب! میں نے ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر مجھے آدمیوں کے اس سیلاب میں اس حلیے کا کوئی شخص نظر نہ آیا جو مجھے بتایا گیا تھا...... سرخی مائل سنہری بال کسی کے سر پر نہ تھے۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنا بیان ختم کر دیا اور لڑکے ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر رہ گئے۔

اب آپ کیا کریں گے؟ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ پولیس کے سپرد کر دیں یہ کیس۔ وہ خود ہی ہسپتالوں میں ادھر اُدھر تلاش کریں گے۔ شہباز نے صلاح دی۔

یہ بھی ٹھیک ہے مگر ہم نے مسز درّانی سے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ عامر نے جواب دیا۔

تو پھر؟ اس سے بڑھ کر آپ کیا مدد کریں گے؟ اس نے پوچھا۔

دیکھیے، کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ عمار کہنے لگا۔ اور وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

شہر میں ٹریفک کا بے حد رش تھا۔ مگر عامر بڑی مہارت سے اپنی گاڑی کو چھوٹی سڑکوں اور کم بھیڑ والے راستوں سے نکالتا ہوا جلد ہی ائیر پورٹ پہنچ گیا۔ گاڑی محفوظ جگہ ٹھہرا کر اندر آئے اور کاؤنٹر پر موجود آدمی کو اپنی آمد کا مقصد بتایا۔

اتفاق سے وہ ائیر ہوسٹس جو اس فلائٹ سے آئی تھی یہیں موجود ہے۔ یں اس سے آپ کا تعارف کروائے دیتا ہوں۔ اس نے کہا اور ایک خوش وضع سی لڑکی کو بلا لایا۔

یہ اسی فلائٹ پر جا رہی ہیں مگر چند منٹ آپ سے بات ضرور کر لیں گی۔ کلرک کہنے لگا اور غزالہ شیخ کے نام سے ان کا تعارف کرایا۔

وہ خوش اخلاق لڑکی تھی۔ ان کی بات سن کر بولی۔ جی ہاں! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابرار درانی اسی فلائٹ سے آئے۔ بھلا وہ بھی کوئی پوچھنے کی چیز ہیں، اس نے مسکرا کر کہا۔

وہ کیسے؟ عامر نے پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

اس لیے کہ ان کی کچھ عجب کیفیت تھی جیسے نشے میں دھت ہوں حالانکہ وہ کچھ ایسی چیز پیئے ہوئے بھی نہیں تھے۔ یا پھر نیند میں چلنے پھرنے والوں کی طرح بے خود جیسے تھے۔ کسی کی بات سنتے یا سمجھتے نہیں تھے۔ اور خود بولتے تو یوں لگتا جیسے کوئی تحریر پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ مجھے تو وہ بالکل ایسے لگتے تھے جیسے ہیبت ناک فلموں میں وہ نہیں ہوتی...... کیا کہتے ہیں اسے وہ زومبی!

آپ نے اس کیفیت کے متعلق ان سے کچھ پوچھا نہیں؟ عمار بولا۔

میں اور دوسرے دو سٹیوارڈ ان کی حالت دیکھ کر فکر مند ہوئے اور میں نے ان

سے پوچھا کہ ان کی طبیعت کیسی ہے کیا ڈاکٹر کی ضرورت ہے؟ تو وہ پر زور انداز سے بولے نہیں! اور کچھ گھبرا سے گئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا۔ غزالہ نے بیان کیا تو عامر نے پوچھا۔

اس کے بعد آپ نے انہیں دیکھا؟ غزالہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

نہیں! پھر وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔

لڑکوں نے غزالہ کا شکریہ ادا کیا اور وہ چلی گئی۔ اب انھوں نے کئی لوڈروں کو کو جو مسافروں کا سامان پہنچاتے تھے ابرار کی تصویر دکھا کر مزید انکشاف کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر وہ مایوس ہو کر ائیر پورٹ سے باہر نکلے تو بیرونی دروازے پر کھڑے ایک سارجنٹ سے دریافت کیا۔ اس نے تصویر دیکھ کر کہا۔

ہاں، میں نے کل کی فلائٹ کے مسافروں میں اس آدمی کو دیکھا ہے۔ مگر تم کیوں اس کی سراغ رسانی کر رہے ہو؟ اس کا لہجہ مزاحیہ تھا۔ لیکن جب لڑکوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔

اس شخص نے کیا کیا ہے؟

گم ہو گیا۔ گھر نہیں پہنچا۔ عامر نے جواب دیا۔

کیا جب آپ نے انہیں دیکھا تو وہ اکیلے تھے؟ عمار نے پوچھا۔

ہاں اکیلا تھا اور اس انداز سے چلتا تھا بولتا تھا جیسے نشے میں یا نیند میں ہو۔ سارجنٹ کہنے لگا۔

ائیر ہوسٹس ٹھیک ہی کہتی تھی کہ اس کی حرکات وسکنات ایسی تھیں جیسے فلموں میں زومبی دکھاتے ہیں۔ عامر کہنے لگا۔

بالکل! بالکل! یہ موزوں لفظ ہے اس کے لیے۔ سارجنٹ بولا

میں نے اس سے بات کی تو اس نے ٹیکسی بلوا دینے کو کہا۔ میں نے اپنے ایک واقف ٹیکسی ڈرائیور کو بلا کر اسے حفاظت سے پہنچانے کی تاکید کی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ کسی ایسے ٹھگ کے ہتھے نہ چڑھ جائے تو اجنبی مسافروں کو غیر علاقوں میں لے جا کر لوٹ لیتے ہیں۔ یہ ڈرائیور تو بڑا شریف آدمی ہے پھر کیا ہوا کہ وہ شخص گھر نہ پہنچ پایا! سارجنٹ نے فکرمند ہو کر کہا۔

کیا وہ ڈرائیور کہیں مل سکتا ہے؟ عامر نے پوچھا۔

ضرور ملے گا۔ بشرطیکہ کوئی سواری لے کر چلا نہ گیا ہو۔ ٹھہریئے میں دیکھتا ہوں۔

اتنا کہ کر اس نے ٹیلی فون کیا اور پھر آ کر بتایا۔ اڈا منیجر کہتا ہے کہ سواری چھوڑنے گیا ہے۔ آتا ہی ہوگا۔

دونوں بھائی وہیں کھڑے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ کوئی پندرہ منٹ بعد ٹیکسی ان کے قریب آ کر رکی اور گنجے سر والا ڈرائیور اتر کر ان کے پاس آیا۔ سارجنٹ نے اسے مختصر لفظوں میں سارا واقعہ بتایا اور کہا۔

رمضان خان! تم انہیں وہیں لے جاؤ جہاں تم نے اس سرخ داڑھی اور سرخ بالوں والے آدمی کو چھوڑا تھا۔

کوئی بات ہی نہیں صاحب! میں تو ان لڑکوں کے باپ کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہمیشہ اخبار میں ان کے کارنامے پڑھا کرتا ہوں۔ ان کی مدد کرنا تو ثواب کا درجہ رکھتا ہے...... آؤ بیٹا بیٹھو! میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ میاں رمضان خان نے

بڑے جوش سے کہا۔اور حامر اور عمار کو پچھلی نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نہیں میاں رمضان خان! ہمارے پاس اپنی گاڑی موجود ہے۔آپ ہماری رہنمائی کریں۔ہم آپ کے پیچھے آئیں گے۔

عماراور حامر اپنی گاڑی کی طرف چل پڑے۔

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

الماری کا سراغ

ٹیکسی ڈرائیور نے جلد ہی شہری آبادی کے پر ہجوم علاقے سے نکل کر گاڑی کو بیرون شہر کی سنسان سڑک پر ڈال دیا اور آخر ایک مختصر سی بیرونی آبادی کے ایک خستہ حال مکان کے آگے ٹھہر گیا۔

لڑکوں نے رمضان خان کو کرایہ دینا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔

آپ لوگوں کی اس قدر خدمت کرتے ہیں کیا مجھے اس میں ذرا سا حصہ نہیں لینے دیں گے۔

عامر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ واپس چلا گیا۔

ڈیوڑھی کا دروازہ کھلا تھا اور اکھڑے ہوئے پلستر والی دیواروں پر مختلف کمروں کے نمبر اور مکینوں کے نام درج تھے۔ کئی تختیاں خالی بھی تھیں۔ عامر نے صدر دروازے پر دستک دی۔ کئی منٹ کے انتظار کے بعد ایک گھڑے کے پیٹ والا بوڑھا آدمی باہر آیا۔ اس نے میلی سی ڈھیلی پینٹ اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ کپڑے اور ہاتھ گریس سے چکنے ہو رہے تھے۔ جیسے ورکشاپ میں کام کرتے اٹھ کر آیا ہو۔ وہ پریشان سی سوالیہ نگاہوں سے لڑکوں کی طرف دیکھے جا رہا تھا جیسے ان کی اس جگہ آمد کا مقصد پوچھ رہا ہو۔

ہم اس شخص سے ملنا چاہتے ہیں جو کل شام اس مکان میں آیا ہے۔

کون آدمی؟ یہاں کوئی نہیں آیا۔ بوڑھے نے اپنا گھڑے جیسا پیٹ کھجاتے ہوئے کہا۔

سرخ داڑھی اور سرخ بالوں والا لمبے قد کا آدمی جو کل اسی وقت اس گھر میں آیا ہے ہم اس کی بات کر رہے ہیں۔ اب عمار نے ذرا سختی سے کہا۔

آپ غلط جگہ پر آ گئے ہیں۔ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا۔ اتنا کہہ کر بوڑھا چاہتا تھا کہ دروازہ بند کر دے مگر عامر نے اپنا پیر دہلیز میں اٹکا لیا۔

دیکھیے بڑے میاں! اگر آپ نے ابھی تک اس آدمی کو نہیں دیکھا تو جواب جا کر دیکھیے۔ یا پھر ہمیں دیکھنے دیجیے۔ ورنہ پولیس تلاشی کا وارنٹ لے کر آئے گی اور آپ کے گھر کی تلاشی لے کر اس آدمی کو برآمد کر لے گی۔

عامر نے دھمکایا۔

یہ مجھے تم پولیس کی دھمکی کیوں دے رہے ہو۔

میں کچھ نہیں جانتا۔ بوڑھے نے چیخ کر کہا اور پھر دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر دونوں پٹ عامر کی مضبوط گرفت میں تھے اور وہ بوڑھے کی آنکھوں میں مجرمانہ سی جھلکی دیکھ چکا تھا۔

اگر اپنے گھر میں ہونے والے کسی جرم کو آپ چھپائیں گے تو اصولاً آپ بھی اس جرم میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے...... یہ سمجھ لیں! عمار نے کہا۔

کیسا جرم؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم لوگ! بوڑھے نے یک دم بدحواس ہو کر کہا تو عامر نے اسے بتایا کہ ایک گم شدہ آدمی اس کے گھر میں چھپایا گیا ہے۔ کل جو ٹیکسی ڈرائیور اسے یہاں اتار کر گیا ہے اس کی نشاندہی پر ہم لوگ یہاں پہنچے ہیں۔ عامر نے بتایا۔

اب آپ یا تو ہمارے ساتھ تعاون کریں یا ہم ابھی فون کر کے پولیس کو بلا لیں

گے وہ خود ہی اغوا شدہ آدمی برآمد کرلیں گے اور آپ بھی دھر لیے جائیں گے۔ عمار نے سختی سے کہا تو بوڑھا گھبرا گیا۔ آنکھیں جھپکتے ہوئے اس نے گلے میں جیسے اٹکی ہوئی کوئی چیز نگلی اور دروازے سے ہٹتے ہوئے بولا۔

تم کل شام کی بات کر رہے ہو تو کل جس آدمی نے صرف رات بھر کے لیے ایک کمرہ کرائے پر لیا۔ وہ نہ تو کوئی زیادہ لمبا آدمی تھا نہ ہی اس کے بال سرخ تھے۔ اور نہ وہ شخص صبح سے مجھے نظر آیا ہے...... تم چاہو تو چل کر وہ کمرہ دیکھ لو، بڑے میاں نے دھیمی آواز میں کہا اور لڑکوں کو اپنے ساتھ لے کر اندر آ گیا۔

اپنی تسلی کر لو۔ حالانکہ میں جانتا ہوں یہاں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جس کی تمہیں تلاش ہے۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے جس شخص نے کمرہ ایک رات کے لیے کرایہ پر لیا وہ ہمارے گم شدہ آدمی کو اس جگہ لایا ہو۔ عمار نے کہا۔

چلو دیکھ لو، مگر بے کار ہے تمہاری کوشش۔ بوڑھا کہنے لگا۔

بڑے میاں! ممکن ہے ہمیں کوئی ایسی چیز یا تحریر مل جائے جس سے ہمیں اپنی تلاش میں مدد مل جائے۔ عامر نے نرمی سے کہا اور وہ دونوں کمرے میں داخل ہو گئے۔ گھسے ہوئے، بدرنگ قالین پر پرانا اور میلا کچیلا فرنیچر رکھا تھا۔ ایک طرف پلنگ پر بستر بچھا تھا۔ اور یوں لگتا تھا کہ رات اس پر کوئی نہیں سویا۔

بڑے میاں! کیا صبح آپ نے یہ بستر درست کروایا؟ عامر نے پوچھا۔

بوڑھے نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا یوں لگتا ہے وہ یہاں سویا ہی نہیں۔

کمرے کے پرے سرے پر منھ ہاتھ دھونے کے لیے بیسن نصب تھا۔ جس

میں زنگ آلود جیسا نلکا لگا تھا۔ قریب ہی ردی کی ٹوکری پڑی تھی۔ دوسرے کونے میں کپڑے رکھنے کی الماری تھی۔ عامر قدم برداشتہ آگے بڑھا اور ردی کی ٹوکری کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ مگر کوئی کام کی تحریر نہ ملنے پر واپس مڑتے مڑتے جونہی اس نے الماری کا پٹ کھولا تو وہیں ٹھٹھک کر چلایا۔

اے......اے...... عامر جلدی آنا! یہ دیکھو! عامر نے دوڑا ہوا پہنچا تو عمار کے اشارے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی...... الماری کے اندر نیچے خانے میں ایک آدمی اس طرح ٹھنسا ہوا تھا کہ دیوار کے ساتھ سہارا لگائے ٹانگیں پیٹ کے ساتھ سمیٹے اور ٹھوڑی گھٹنوں پر ٹیکے ہوئے تھا۔ اس کی داڑھی اور سر کے بال لمبے لمبے اور سرخی مائل اور سنہری تھے۔

عامر نے جلدی سے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ بوڑھا آدمی دہشت سے منہ کھولے اس خوف ناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ابھی زندہ ہے عمار! جلدی کرو اسے باہر نکالنے میں میری مدد کرو۔

دونوں لڑکوں نے اسے الماری سے باہر نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ عامر نے اس کی ٹائی ڈھیلی کی اور اس کے تلوے اور ہتھیلیاں سہلائیں مگر وہ ہوش میں نہ آیا۔ عمار نے اس کے سر کو ٹٹولا تو سر کے پچھلے حصے پر ایک خاصا بڑا گومڑ محسوس ہوا۔

اسے کسی نے سر پر ضرب لگا کر بے ہوش کیا ہے۔ عمار نے کہا۔ ہوں تو یہ دماغی صدمہ کے باعث بے ہوش ہے۔! عمار نے ہونٹ سیکڑ کر کہا۔

بوڑھا آدمی بت بنا کھڑا تھا عمار نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ پولیس کو فون کرو اور ایمبولینس منگواؤ۔ کہیں یہ آدمی بے ہوشی ہی میں نہ مر جائے۔ پو...... پو

...... پولیس کو کیوں بلاتے ہو؟ اسے آرام سے لیٹا رہنے دو۔ خود ہی ہوش میں آ جائے گا۔

بوڑھے نے مارے دہشت کے ہکلاتے ہوئے کہا۔

کیا باتیں کرتے ہو بڑے میاں! یہ دماغی ضرب کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ اسے فوری طور پر طبی امداد ملنی چاہیے۔ عامر خفا کر بولا۔

تو میرا کیا ہوگا؟ میں تو سخت مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ اس آدمی نے کہا تھا کہ اگر میں نے کسی کے پوچھ گچھ کرنے پر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میری شامت آجائے گی۔ بوڑھے نے روہانسی آواز میں فریاد کی۔

شامت تو آپ کی اب بھی آئے گی بڑے میاں! آپ عملی طور پر اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ عامر نے جواب دیا۔

کیسا تھا وہ آدمی ذرا؟ اس کا حلیہ بتاؤ بڑے میاں؟ عمار نے پوچھا۔

خوب مضبوط اور گٹھے ہوئے بدن کا آدمی تھا۔ قد کوئی خاص لمبا نہ تھا۔ بوڑھے نے جواب دیا۔

لباس کیسا تھا؟ عامر نے پوچھا۔

خاکی پینٹ اور سبز جیسی شرٹ پہن رکھی تھی۔ لباس اور شکل سے غنڈہ جیسا لگتا تھا۔ بڑے میاں نے بتایا۔

خیر چھوڑو تم۔ جا کر فون کرو۔ یہ تمہارے ہاں مر گیا تو تمہاری مصیبت اور بڑھ جائے گی۔ عامر نے کہا۔ تو بوڑھا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ اس وقفہ میں لڑکوں نے الماری سے ابرار درانی کا سوٹ کیس نکالا تو اِدھر اُدھر

بکھری ہوئی کچھ چیزیں ملیں۔قلم، دھوپ کا چشمہ اور اس کا خانہ۔چابیوں کا گچھا وغیرہ۔یوں لگتا تھا کہ اسے بے ہوش کرنے کے بعد جیبوں کی تلاشی لی گئی تو غیر ضروری چیزوں کو الماری میں پھینک دیا گیا۔عمار نے چابیوں کی مدد سے سوٹ کیس کھولا تو اس میں سب چیزیں ترتیب سے جمی جمائی اسی طرح رکھی تھیں۔

سوٹ کیس نہیں کھولا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ جو قیمتی چیزیں ابرار درانی لے کر آیا تھا وہ اس کی جیب ہی سے مل گئیں اور مکین کی تلاشی کی ضرورت نہ رہی۔عامر نے کہا۔

اور وہ ٹھگ، بیچارے درانی کی رقم بھی پوری کی پوری لے گیا۔یہ دیکھو! بٹوے میں ایک پیسہ بھی تک نہیں۔اس نے خالی بٹوے کو اوندھا کر کے جھلاتے ہوئے کہا تو اس میں سے ایک ملاقاتی کارڈ زمین پر گرا جسے عامر نے اٹھا کر دیکھا تو مارے حیرت کے چلا اٹھا۔

ارے! یہ تو ابو کا کارڈ ہے!

اس سے مجھے خیال آتا ہے کہ رقم نکالتے وقت اس ٹھگ نے ضرور یہ کارڈ دیکھا ہوگا۔اسی لیے وہ مسز درانی کے ہاں جاسوسی کرنے پینٹر کے روپ میں پہنچا ہوگا کہ معلوم رکے کہ ابو کے ساتھ اس کی کچھ بات چیت ہو رہی ہے یا نہیں۔عمار نے کہا۔

تمہارا خیال درست ہے۔کارڈ پر ہمارے گھر کا پتہ بھی موجود ہے اور اسی وجہ سے وہ ہمیں اور ہمارے ملنے جلنے والوں کو بھی ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔تاکہ ہم اس معاملہ سے دور رہیں۔عامر نے خیال ظاہر کیا اور کارڈ اپنی جیب میں

رکھ لیا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے آثار گہرے ہو گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابرار درانی کے ساتھ ان کے والد کا رابطہ ہونے ظاہر ہونے پر وہ ٹھگ اور اس کے ساتھی خود ان کے لیے پریشانی پیدا کریں گے۔

وہ پوری تسلی سے سراغ کی تلاش کر چکے تھے مگر ٹھگ اپنا کوئی سراغ چھوڑ کر نہ گیا تھا۔ اتنے ہی میں پولیس کی وین اور ایمبولینس پہنچ گئی اور دو آدمی اسٹریچر لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے اور بے ہوش آدمی کو اٹھوا کر ہسپتال بھیجنے کے بعد پولیس انسپکٹر نے عامر اور عمار سے پوری روئیداد سنی اور ان کے کارنامے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

تم دونوں بہت تھک گئے ہو۔ اب تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہیے۔ باقی معاملہ کو میں دیکھ لوں گا اور تمہاری ضرورت پیش آئی تو تمہیں فون کر لوں گا۔

عامر نے راستہ میں ایک دکان پر رک کر مسز درانی کو سارے کوائف سے ٹیلی پر آگاہ کیا اور دونوں بھائی گھر آئے۔ آنٹی منصورہ اپنے چہرے پر اہمیت کے آثار لیے ہوئے تھیں۔

وہ باب کا پوچھ رہے تھے نا تم لوگ؟ میں نے پتہ چلا لیا ہے کہ یہ نام تم نے کہاں سنا ہو گا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

بم کا ہراس

آپ نے یہ نام کہیں دیکھا ہے آنٹی؟ عامر نے اشتیاق سے پوچھا۔عمار بھی منتظر نظروں سے پھوپھی کی طرف دیکھنے لگا۔

دیکھا نہیں سنا ہے......سوچتے سوچتے مجھے یاد آ گیا کہ تمہارے ابو کے جانے کے اگلے ہی روز کسی کا ٹیلی فون آیا جو تمہاری امی نے سنا۔ جب وہ واپس آئیں تو میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ کوئی شخص شہاب سے BOB کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔منصورہ نے بیان دیا تو عمار نے بھائی کی آستین کھینچتے ہوئے کہا۔آؤ امی سے بھی پوچھتے ہیں۔دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں۔

مسز شہاب اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی کھڑکیوں کے لیے پردے سی رہی تھیں۔انھیں نے وہ ٹیلی فون والا واقعہ اچھی طرح یاد تو تھا مگر یہ نہیں پہچان سکیں کہ وہ کس کی آواز تھی۔

اس نے اپنا نام بھی نہیں بتایا تھا؟ عامر نے پوچھا۔

کسی معاملے کی تحقیقات کے لیے تمہارے ابو کی مدد لینے والے عموماً اپنا نام نہیں بتایا کرتے۔چنانچہ میں بھی اس کا نام نہیں پوچھا۔مسز شہاب نے کہا۔

اس نے کیا کہا تھا امی؟ اچھی طرح یاد کر کے بتائیے۔عمار نے پوچھا۔

بس یہی کہ وہ باب سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔اور اس کا خیال ہے کہ شہاب صاحب اس سلسلہ میں اس کی مدد کر سکتے ہیں۔مسز شہاب نے بتایا۔

اس نے بتایا فون نمبر یا ایڈریس نہیں دیا جس پر اس سے یا پھر باب سے رابطہ

قائم کر سکتے؟ حامر نے سوال کیا۔تو اس کی امی نے لمحہ بھر کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ نہیں مگر اس کے انداز سے میں نے اخذ کیا گویا اسے یقین ہے کہ تمہارے ابو کو بھی اس کے یا باب کے پتہ وغیرہ کا علم ہے۔انھوں نے مزید کہا تو عمار نے بھائی سے کہا۔ اگر ایسا ہے تو ابو کی نوٹ بک میں درج ہو گا۔آؤ لائبریری میں چل کر دیکھیں۔ او دونوں دوڑتے ہوئے اوپر، باپ کی لائبریری میں گئے۔ حامر نے چرمی جلد والی پاکٹ بک اٹھا کر اس کے ورق الٹنے شروع کیے۔شہاب صاحب اسی نوٹ بک میں اپنے موکلوں، دوستوں اور پیشہ ورانہ رابطوں کے ٹیلی فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ کی یادداشتیں لکھتے تھے۔

یہ رہا......! حامر ایک نام پر انگلی رکھتے ہوئے بولا۔پتہ کے اندراج میں صرف BOB لکھا تھا اور آگے ٹیلی فون نمبر درج تھا۔یہ لڑکوں کے لیے حیرت کی بات تھی کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کے والد ہمیشہ لوگوں کے پتے وغیرہ تفصیل سے نوٹ کرتے تھے۔

بہر حال نمبر جو ہے پتہ کیئے لیتے ہیں کون ہے یہ باب۔عمار نے کہا۔

اور حامر نے پاکٹ بک میں باب کے سامنے درج نمبر ڈائل کیا۔

جی !لائن کی دوسری طرف سے ایک گھمبیر لیکن دھیمی آواز آئی۔

دیکھئے جناب! میں ایک شخص باب سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حامر نے بھی دھیمی آواز میں کہا اور اس سے پیشتر کہ وہ اپنی بات جاری رکھتا دوسری طرف سے معاً گھبرائی ہوئی سی آواز ابھری۔

کون باب؟

ہمیں ایک خط موصول ہوا ہے جو ان باب نامی کسی صاحب کے نام سے ہے اور...... عامر ابھی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ مگر آپ نے یہ فون نمبر کہاں سے لیا؟ آواز میں شیر کی کھنک تھی۔

دراصل یہ خط میرے والد صاحب کی معرفت باب کی طرف سے آیا ہے اور ......

کون ہیں آپ کے والد صاحب؟ اس نے پھر بے صبری سے بات کاٹ کر پوچھا تو عامر کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا اسے شروع ہی سے اپنا تعارف کرا دینا چاہیے تھا۔

آپ نے شہاب زیدی کا نام سنا ہوگا۔ میں ان کا بڑا بیٹا عامر ہوں۔ آج صبح ہی کوئی شخص یہ خط میرے ایک دوست کے ہاں دے گیا وہ لے کر میرے ہاں آیا۔ لفافے پر میرے والد کے نام کے نیچے صرف باب انگریزی کے بڑے حرفوں میں لکھا ہے۔ کیا آپ ...... عامر کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی دوسری طرف سے کلک کی آواز آئی اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔

کیا خوب! اس نے بغیر کچھ کہے سنے فون بند کر دیا۔ عامر نے غصہ سے کہا تو عمار نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

اس نے باب کا بھی کچھ اتہ پتہ نہیں بتایا؟

بالکل نہیں! عامر نے جواب دیا اور مایوس ہو کر چپ ہو رہنے کی بجائے دونوں بھائی اپنی لیبارٹری میں گئے تا کہ وائرلیس پر شہاب صاحب یا شریف میاں سے رابطہ قائم کر کے ان سے معلوم کریں۔ لانگ رینج وائرلیس ٹرانسمیٹر پر انھوں نے

اپنے والد کا ایمرجنسی نمبر ملایا مگر کوئی جواب نہ ملا۔

اس کے بعد شریف میاں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر بے سود!

شریف میاں کہیں واپس نہ چل پڑے ہوں۔عمار نے خدشہ ظاہر کیا۔

نا بھئی! خدا نہ کرے کہ وہ ابو کے ملنے سے پہلے چلے آئیں۔عامر کو بھائی کا یہ خیال اچھا نہ لگا۔اس رات، دونوں لڑکے دھماکے سے شیشہ ٹوٹنے کی کے چھناکے کی آواز پر نیند سے چونک اٹھے اور ساتھ ہی منصورہ آنٹی کے کمرے سے دہشت زدہ چیخ کی آواز سنائی دی دونوں اٹھ کر بے محابہ دوڑے۔آنٹی کی آواز لگتی ہے۔ عمار نے منصورہ کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔دیکھا تو منصورہ آنٹی ننگے سر پیر کھڑی ہانپ رہی تھیں۔لڑکوں کے پوچھنے پر ہکلاتے ہوئے بولیں۔

کوئی وزنی چیز شیشہ توڑتے ہوئے اندر آ کر گری ہے۔خبر نہیں کیا چیز ہے۔

کمرے میں زردی مائل دھواں سا پھیل رہا تھا جس کی ناگوار بو میں سانس رکنے لگا تھا۔لڑکے واقعہ کی نوعیت کو سمجھ کر غسل خانے کی طرف دوڑے۔تولیے بھگو کر ناک منہ پر لپیٹے اور منصورہ کے کمرے میں گئے۔ان کی امی بھی جاگ اٹھی تھیں اور اوپر آ کر دہشت زدہ منصورہ کو اپنے ساتھ لٹائے نیچے اپنے کمرے میں پہنچا رہی تھیں عامر اور عمار نے دیکھا کہ ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں کے درمیان ایک گیند جیسی چیز پڑی ہوئی ہے جس میں سے زرد دھواں اٹھ رہا ہے۔

اوہو! یہ تو بم معلوم ہوتا ہے! عمار نے کہا

ہاں دھوئیں والا بم ہے۔یہ! عامر بولا۔

ہمیں اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے ممکن ہے دھماکے سے پھٹ پڑے۔عمار

نے اتنا کہتے ہوئے اس دھواں اگلتے ہوئے بم کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور دریچے کھول دیئے تا کہ دھواں نکل جائے۔

ہمیں پولیس کو اطلاع کرنی چاہیے۔عمار نے کہا۔

ہاں پولیس کو اطلاع کریں گے اگر یہ واقعی اصلی بم ثابت ہوا۔لیکن اسے چھونے سے محسوس ہوا کہ وہ محض فٹ بال ہے۔

صبح تک دھواں خارج ہو گیا تو لڑکے جا کر ان میں سے وہ بم نما چیز اٹھا لائے اور یہ دیکھ کر سب کو اطمینان ہوا کہ عامر کا خیال درست تھا۔یہ بم نہیں بلکہ درمیانے سائز کا فٹ بال تھا جس پر سیاہ پینٹ کر دیا گیا تھا۔

ٹیوب کے اندر کوئی بودار دھواں دینے والی چیز بھر دی گئی تھی جو یقیناً ضرر رساں نہیں تھی کہ جو دھواں کمرے میں بھر گیا تھا اس نے کسی کو نقصان نہیں دیا۔

ٹھہرو! دیکھو اس کے نیچے یہ حروف کیسے ہیں؟ منصورہ کی تیز نگاہ گیند کے نیچے زرد حرفوں پر پڑی۔سیاہ پینٹ پر زرد پینٹ سے لکھا تھا۔''بازشا''!

یہ ''بازشا'' کون ہے؟ عمار نے سوال کیا۔

خدا بہتر جانتا ہے عامر نے حیران ہو کر جواب دیا۔

ممکن ہے ابی اباب کا کوئی دوست یا دشمن ہو۔مسز شہاب نے کہا۔

گھر کے ہر فرد نے اپنے اپنے قیاس کا اظہار کیا۔عامر اور عمار ایک بات پر متفق تھے کہ بہر حال یہ نقلی بم پھینکنے والا بھی وہی شخص تھا جس نے ساحل پر انہیں اور ان کے دوستوں کو دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔مزید یہ کہ وہ فی الحال انہیں محض ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔سنجیدگی سے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا

مگر یہ امر ضرور فکر مندانہ تھا کہ اس جرائم پیشہ گروہ سے اب نہ صرف ان کے دوست بلکہ گھر والے بھی اس شخص کا ہدف بن گئے تھے اور لڑکوں کے باہر جانے کے بعد گھر میں صرف خواتین ہوتی تھیں۔

اگلی صبح یہ لوگ ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ صدر دروازے کی گھنٹی بجی۔

عمار نے دروازہ کھولا تو ایک دراز قد، پختہ عمر، سنجیدہ اور باوقار سا آدمی دروازے پر موجود تھا۔

السلام علیکم! جی فرمایئے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟

وعلیکم السلام! بیٹا مجھے شہاب صاحب کے بیٹوں عامر اور عمار سے ملنا ہے۔ کیا آپ ان دونوں بھائیوں میں سے ہیں؟ اس نے بڑے نرم اور مہذب لہجے میں پوچھا۔

جی ہاں! میرا نام عمار ہے! عمار نے اپنا تعارف کرایا۔

میں فیڈرل مارشل ہوں۔ نووارد نے اپنا شناختی کارڈ دکھاتے ہوئے کہا اور عمار اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہوئے بولا۔

تشریف رکھیے! میں اپنے بھائی عامر کو بلاتا ہوں۔

عمار نے بھائی سے مارشل کا مناسب تعارف کرایا اور عامر سوالیہ نگاہ سے نو وارد کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کا انداز اور رویہ نہ تو دوستانہ تھا نہ مخاصمانہ۔ اس نے غائر نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا اور بولا۔

اگر میرے پاس اس سلسلہ میں کوئی سرکاری نوٹس یا وارنٹ نہیں ہے مگر مجھے ایک سرکاری ادارہ سے بھیجا گیا ہے کہ آپ دونوں کو اپنے ہمراہ لا کر متعلقہ آفیسر کے سامنے پیش کروں۔ مارشل نے گھمبیر آواز میں کہا۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہمیں کس سلسلہ میں بلایا گیا ہے؟ عامر نے پوچھا۔

شاید آپ نے کوئی فون کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں آپ سے پوچھ گچھ ہو گی۔

مارشل نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔ عامر اور عمار نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا معاً عامر کے ذہن میں یہ قیاس پیدا ہوا کہ یقیناً باب کوئی جرائم پیشہ شخص ہوگا جواب قانون کی گرفت میں ہے اور جو کوئی بھی کسی پہلو سے اس کے ساتھ رابطہ رکھتا ہو اس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہو گی۔ جب یہ ان کے ٹیلی فون کرنے پر انہیں بھی شامل تفتیش کر لیا گیا۔ انہیں تذبذب میں دیکھ کر عامر نے کہا۔

آپ کو گرفتار کر کے تو نہیں لے جایا جا رہا مگر مجھے حکم ہے کہ آپ کو بہر صورت پیش ضرور کروں۔ اگر آپ اپنی مرضی سے چلے چلیں تو بہتر ہو گا۔

جی، بہت بہتر! ہم ضرور چلیں گے ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔ عامر نے مستعدی سے کہا تو عمار نے پوچھا۔

سر! میری والدی دریافت کرتی ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو واپس آنے کی اجازت دیں گے یا وہیں پابند رکھیں گے؟

بیٹا! میں نے کہا نا تمہیں گرفتار تو نہیں کیا جا رہا۔ تم محض چند سوالات کا جواب دینے کے واسطے بلائے جا رہے ہو۔ مزید برآں میں خود معاملے کی نوعیت سے واقف نہیں۔ اس لیے میں نتیجہ کے متعلق بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مارشل نے مبہم سا جواب دیا۔ مگر لڑکوں کی اس تجویز کو مان لیا کہ عمار اس کے ساتھ بیٹھ جائے گا اور عامر ان کے پیچھے پیچھے اپنی کار پر جائے تاکہ واپسی پر انہیں دقت نہ ہو۔

لڑکوں کا خیال تھا کہ انہیں کسی عدالت یا شاید فوجی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ لیکن جب مارشل کی گاڑی کنٹونمنٹ کی حدود کو بھی چھوڑ کر آگے نکل گئی تو وہ حیران ہوئے۔ پھر حیرت نے پریشانی کی صورت اختیار کر لی کہ کسی دھوکے میں نہ آ گئے ہوں۔ آخر کار حدود شہر سے کئی دور گھنے جنگل میں اور سمندری چٹانوں کے دامن میں ایک معمولی سی عمارت کے سامنے گاڑی رک گئی۔ بظاہر یہ کوئی فیکٹری جیسی معلوم ہوتی تھی جس کے باہر بورڈ پر جلی حروف میں نام لکھا تھا:

"بابر اور باسط کمپنی"

یہ کیا ہے! کون سی جگہ ہے؟ عامر نے اپنی گاڑی ایک طرف روک کر قریب آتے ہوئے پوچھا۔ اس کا روئے سخن مارشل کی طرف تھا۔

بھئی مجھے آپ کو یہیں لانے کا حکم تھا۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ مارشل نے جواب دیا۔ عمار جس کی نگاہیں بورڈ پر جمی تھیں سر ہلا کر بولا۔

اچھا! اچھا تو یہ بات ہے؟

کیا؟ کیا بات ہے؟ عامر نے حیران ہو کر بھائی سے پوچھا۔ عمار اس کا بازو کھینچ کر ایک طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ یہ سامنے بورڈ پڑھو...... باب ہی بنتا ہے نا؟

ارے ہاں! عامر بھی خوش ہو کر بولا۔ اتنے میں مارشل اپنی گاڑی پارک کر کے ان کی طرف بڑھا اور انہیں ساتھ لیے ہوئے فیکٹری میں داخل ہوا۔ ایک وسیع مگر بالکل خالی ڈیوڑھی میں ایک سٹول پر گارڈ بیٹھا تھا اور اس کے قریب ہی ایک چھوٹے سے سٹینڈ پر کوئی ٹیلی فون رکھا تھا۔ اس کے علاوہ فرنیچر قسم کی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی۔ گارڈ نے مارشل سے زیر لب کچھ پوچھا اور پھر ٹیلی فون پر کسی سے بات کرنے کے بعد بولا۔ آپ جا سکتے ہیں۔ مارشل ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور دیوار پر نصب ایک بٹن دبایا۔ سبز جیسی روشنی چمکی اور دروازہ کھول کر ایک باوردی گارڈ باہر آیا۔ ان کو ساتھ لے جاؤ! مارشل نے نو وارد کو حکم دیا۔ جس نے مؤدبانہ جھکتے ہوئے انہیں ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ چند قدم پر رک کر اس نے ایک دروازہ کھولا اور کہا۔ اندر تشریف لے جائیے!

کمرے میں داخل ہوتے ہی ان کی نگاہ سامنے بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال چھدرے اور رنگت گندمی سی تھی۔

خوش آمدید! میرا نام زیڈ، ڈی بابر عثمانی ہے۔ اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

لڑکوں نے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا اپنا نام بتا کر تعارف کرایا۔

تشریف رکھیے! عقابی آنکھوں والے عثمانی نے پرتپاک لہجہ میں کہا۔ دونوں

لڑکے میز کے اس طرف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دونوں کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی خیال گونج رہا تھا...... بابر عثمانی اس شخص کا فرضی نام ہے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ عثمانی بولا جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ بظاہر یہ جگہ ایک معمولی سی فیکٹری ہے مگر آپ صاحبوں کے سامنے مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ درحقیقت یہ اعلیٰ سطح کا ایک خفیہ سروس کا ادارہ ہے......

اس نے لمحہ بھر توقف کیا تو عمار حسب عادت کہ اٹھا۔ اور اس کا نام باب مشہور ہے۔ عثمانی مسکرایا اور بولا۔ ہاں اس کا نام باب مشہور تو ہے اور اس ادارہ کے ایجنٹ اور کارندے ہی نہیں اس کے مخالفین بھی اسے اسی نام سے جانتے ہیں۔ مگر اب اس کے مخالفین میں بعض گھاگ قسم کے جرائم پیشہ اس حقیقت تک پہنچ گئے ہیں کہ باب سے مراد محض بابر اور باسط فیکٹری نہیں بلکہ بم بیورو بھی ہے۔

یہ کیسے؟ عامر نے جیسے کچھ نہ سمجھتے ہوئے وضاحت چاہی۔ معاملہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ ادارہ بیورو آف بومبز دہشت گردی کی روک تھام اور بموں کے ذریعے ہلاکت خیزی کے مجرموں سے نمٹنے کے لیے بنایا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ ہمیں تحقیقاتی ایجنسی سے تعاون کرنے کا حکم ملتا رہا اور اسی نہج پر یہ ایک خفیہ تحقیقاتی ادارہ بن گیا۔ اب ہمارا تعلق خالصتہً خفیہ سروس سے ہے۔

بابر نے وضاحت کی۔ لڑکے سنتے رہے اور اب واضح طور پر حیرت محسوس کرنے لگے کہ نہیں بلایا کس غرض سے گیا تھا اور عثمانی کا طرز عمل ان کی توقع کے برعکس تھا۔

اب میں اسی موضوع پر آپ سے بات کرنے لگا ہوں جس کا آپ کو تجسس ہے

اس نے ان کو قیافہ سے جان لیا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔لڑکے متوجہ ہوئے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

آپ کے والد محترم کو باب ہی نے ایک انتہائی خفیہ مشن پر بھیجا ہوا ہے۔تباہ کارنامی تحریک ایک بین الاقوامی مجرموں، جاسوسوں اور دہشت گردوں کا بہت بڑا گینگ ہے۔ یہ ملک دشمن عناصر طرح طرح کے منصوبوں اور غیر ملکی دشمنوں کے مفاد کی خاطر حکومتوں کا تختہ پلٹتے اور سازشوں کے جال پھیلاتے ہیں۔

اپنے اخراجات کے لیے ڈاکے ڈالتے اور قتل و غارت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ہمیں خبر ملی کہ ان کا سرغنہ ان دنوں شارجہ میں مقیم ہے۔اسی لیے ہم نے شہاب صاحب کی خدمات حاصل کیں۔یہ اطلاع صرف آپ دونوں کے لیے ہیں۔آپ اس کا گھر میں بھی ذکر نہیں کریں گے۔ ہمارا فون نمبر سوائے ہمارے اپنے ایجنٹوں کے کسی کو معلوم نہیں۔اسی لیے ہمیں آپ کے رابطہ قائم کرنے پر بے حد پریشانی ہوئی اور ہم نے محکمہ کے بعض افسروں پر یہی ظاہر کیا کہ ہم آپ سے جواب طلبی کے لیے بلا رہے ہیں۔حالانکہ ہمارا عندیہ محض یہ تھا کہ آپ کو شہاب کے متعلق بتادیں اور مزید یہ کہ آپ سے اس خط کے متعلق بات کریں۔اچھا تو وہ خط کیسا تھا؟اس نے پوچھا۔

عامر نے جیب سے خط نکال کر پیش کیا جو شہاب زیدی کی معرفت باب کی طرف لکھا گیا تھا۔عثمانی نے جلدی سے خط کھولا اور کاغذ پر ایک نظر ڈال کر مسکراتے ہوئے بولا۔

یہ تباہ کار گینگ کے خاص کوڈ میں لکھا گیا ہے۔ ہمارے ماہر لسانیات نے حال

ہی میں اس کوڈ کو دریافت کیا ہے۔ میں ابھی اس کا مفہوم لکھوا کر دکھاتا ہوں۔ اتنا کہ کر اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ گارڈ حاضر ہوا تو اس نے کاغذ اسے تھما کر حکم دیا۔

یہ انور صاحب کے پاس لے جاؤ اور فوراً اس مفہوم بھیجنے کی تاکید کرو۔

اس لمحے عمار کو کچھ خیال آیا تو اس نے اپنی جیب میں سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں پانچ تصویریں نکال کر بابر عثمانی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

یہ ذرا ملاحظہ فرمایئے عثمانی صاحب! کیا آپ ان میں سے کسی کو پہچانتے ہیں؟

خوب پہچانتا ہوں! عثمانی نے ایک غائر نظر ان پر ڈالتے ہوئے کہا۔

کون ہیں یہ لوگ؟ عامر نے بے صبری سے پوچھا۔

یہ لوگ نہیں۔ یہ شخص کہیے۔ عثمان نے ہنس کر کہا۔

معاف کیجئے۔ میں سمجھا نہیں۔ عمار کہنے لگا۔ بھئی یہ پانچوں تصویریں ایک ہی آدمی کی ہیں۔ عثمانی نے بتایا۔ کون ہے وہ؟ عامر نے پوچھا۔

یہ تباہ کار گینگ کا چیف بازشا ہے۔

پانچ چہروں والا آدمی

یہ سن کر عامر اور عمار حیران رہ گئے۔ کہ یہ پانچوں تصویریں ایک ہی آدمی کی ہیں اور عمار بے ساختہ بول اٹھا۔

بڑی حیران کن بات ہے۔ لیکن معلوم تو نہیں ہوتا کہ یہ ایک ہی شخص ہے۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر یہ بازشاہ بھی بھیس بدلنے اور بہروپ بھرنے میں ماہر ہے۔ میں بھی اس لیے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس کی اصلی صورت معلوم کرنے کے لیے بڑی تحقیقات کی ہے۔ اور مختلف بیانات اور رپورٹوں سے جو کچھ میں نے اخذ کیا ہے وہ بھی اس کے ان پانچ بہروپوں کو واضح کرتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کی اصلی صورت سے کوئی بھی واقف نہیں۔ مگر یہ طے ہے کہ یہ پانچوں تصویریں بازشاہ ہی کی ہیں۔ یہ آپ کے ہاتھ کیونکر لگیں؟

اپنا بیان ختم کرتے ہوئے چیف نے پوچھا تو عمار نے کیمرے کا سارا واقعہ سنا دیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ واقعی ہمارے قریب قریب پہنچ گیا ہے اور اسی کا ثبوت دینے کے لیے اس نے آپ کا کیمرہ اٹھایا اور اس میں اپنے مختلف عکس آپ کو فراہم کر دیئے۔ عثمانی نے کہا۔

اس نے اپنی بات ختم کی تھی کہ انٹرکوم کی گھنٹی بجی اور عثمانی نے ریسیور اٹھایا۔ ہم نے کوڈ کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

بہت خوب! بھیجئے! عثمانی نے کہا اور میز پر لگے بورڈ پر ایک سوئچ دبایا۔ سامنے

لگی ہوئی ایک سکرین روشن ہوگئی اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت واضح ہوگئی۔

بازشاہ سے باب کے نام!

میں نے تباہ کار گینگ سے الگ ہو جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔اور کرۂ ارض کے اس علاقہ کی خفیہ سراغ رساں ایجنسیوں کی مدد کر کے **ملک** کو تباہ کار تحریک کی دست برد سے محفوظ رکھنے کی تدبیر کرسکتا ہوں۔بشرطیکہ میری شرائط منظور کرنے کا یقین دلایا جائے۔

میرا انکشاف کسی قدر قیمتی ہے۔اس کا تو اندازہ خود لگایا جا سکتا ہے۔صرف شرائط لکھتا ہوں۔

مجھے ایک ملین ڈالر مہیا کیے جائیں کس صورت میں؟ یہ پھر لکھوں گا۔

میری شخصیت کی تبدیلی کی دستاویز مہیا کی جائیں۔

تباہ کار تحریک کے انتقام سے میرے تحفظ کے اقدام کیے جائیں۔

اگر یہ منظور ہو تو کل کے اخبار میں اشتہار کی صورت میں جواب بنام ایمن خان دیا جائے۔

لڑکوں نے حیرت سے یہ تحریر سکرین پر پڑھی اور عثمانی کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔اس کے عقابی چہرے پر تفکر کے گہرے اثرات تھے۔عمار نے پوچھا۔

کیا آپ اس کی یہ شرط منظور کرلیں گے؟

ضرور کرلیں گے! اس نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

مگر دس لاکھ ڈالر کی...... خطیر رقم؟ عمار ابھی تک اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا تھا۔

اس کے انکشاف بھی کچھ کم قیمتی نہ ہوں گے۔**ملک** کی سلامتی اور امن کے لیے

یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔ہمیں اس تباہ کار تحریک کے راز اور روابط معلوم ہو جائیں تو ہم اسے مفلوج کرنے کی تدبیر کرسکیں گے۔عثمانی نے کہا۔

لڑکوں نے رات والے نقلی بم اور اس پر بازشا کے نام کا ذکر بھی کیا جس پر عثمانی بے حد سنجیدہ ہوگیا اور کچھ سوچ کر بولا۔

یہ بازشا کا کام نہیں بلکہ اس میں تباہ کار گینگ کا خاص اشارہ ہے۔یعنی وہ بازشا چھوڑنے کے ارادہ سے واقف ہو گئے ہیں اور تمہیں پیغام دیا ہے کہ اس کی مدد کرنے میں تمہارے لیے خطرہ ہے۔

اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ تباہ کار گینگ والے اس امر سے بھی واقف ہو گئے ہیں کہ وہ ہمارے وساطت سے باب سے رابطہ قائم کررہا ہے انھوں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

پھر تو وہ یقیناً اس راز سے بھی آگاہ ہوں گے کہ ابو آپ کے لیے کام کر رہے ہیں۔عمار نے بے حد ہراساں ہو کر کہا تو خود عثمانی بھی فکرمند نظر آنے لگا۔عامر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سر! کہیں ایسا نہ ہو ان لوگوں نے ابو کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہو اور.....اگر آپ بازشا سے معاملہ طے کریں تو وہ ان کی جان کے لیے خطرہ بن جائیں؟

عمار کے اس خدشہ پر عثمانی نے کوئی قیاس آرائی نہ کی اور خاموش رہا۔

میرا خیال ہے حکومت بازشا کی شرائط کو نہیں مانے گی۔عمار نے اپنی تسلی کے پیش نظر خوش فہمی ظاہر کی۔

نہیں.....تمہیں اندازہ نہیں کہ گینگ دنیا بھر کے ممالک میں کتنی تباہی مچا رہا

ہے۔ یہ حادثے، یہ قتل و غارت اور ڈاکہ زنی، منشیات کا یہ طوفان، سب اسی گروہ کی کارستانی ہے۔ بین الاقوامی مجرموں کے اس گینگ کا زور توڑنا بے حد ضروری ہے جس سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہے۔ اس کے لیے قربانی دینا ضروری ہے۔ اس ضرورت کے سامنے اس رقم کی کیا حقیقت ہے۔

عثمانی کہہ رہا تھا اور لفظ قربانی پر دونوں بھائی کے جسم سنسنا اٹھے تھے۔ مگر وہ کوئی بدفال خیال دل میں لانے سے گریزاں تھے۔ آپس میں مشورہ کر کے انہوں نے مسز درانی اور ابرار درانی والا سارا معاملہ بھی عثمانی کے آگے دہرایا اور پوچھا۔

آپ کا کیا خیال ہے؟ کہیں یہ معاملہ بھی تو اس سلسلے کی کڑی نہیں۔ عامر کے اس سوال کا عثمانی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ واضح طور پر متفکر نظر آنے لگا اور اٹھ کر کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ چند لمحے بعد واپس آ کر لڑکوں کے روبرو ٹھہرتے ہوئے بولا۔

کیا مسز درانی نے تمہیں یقینی طور پر یہی بتایا کہ شہاب صاحب اس کے بھائی سے شارجہ کے ہوٹل میں ملے؟

جی ہاں اور اس کا ثبوت یہ کارڈ ہے؟ جو ہمیں ابرار درانی کے پرس سے ملا؟ کیوں؟ اس سے آپ نے کیا اخذ کیا؟ عامر نے پوچھا۔

وہ ہوٹل گینگ کا اڈا ہے۔ شہاب کا وہاں جانا خالی از علت نہیں۔ اور اسی وقت سے ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی۔ مجھے تمہیں یہ بتانا تو نہیں چاہیے تھے مگر ہمیں...... ہر بات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس کے ماتھے پر تفکر کے بل سمٹے ہوئے تھے اس نے بغیر لڑکوں کی طرف دیکھے کہا۔

میں سمجھتا ہوں۔ عامر نے ڈوبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ عمار نے فرطِ ضبط سے مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

اس اشتہار کے متعلق کیا خیال ہے جس کا بازشا نے لکھا ہے؟ عامر نے پوچھا۔

اگر مرکز سے شرائط کی منظوری ہوگئی تو کل صبح کے اخبار میں اشتہار چھپ جائے گا۔ عثمانی نے جواب دیا۔ دونوں بھائی جب باب فیکٹری سے نکلے تو بے حد دل گرفتہ تھے۔ راستہ خاموشی سے کٹا۔ گھر پہنچتے ہی انھوں نے وائرلیس پر پہلے اپنے والد کا نمبر ملانا چاہا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد شریف میاں کا نمبر ملایا تو وہ موجود تھے۔ لڑکوں نے انہیں ابرار درانی سے لے کر باب فیکٹری تک کے سارے واقعات جزو کل بتائے تو انھوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔

میں آج ہی شارجہ روانہ ہو جاؤں گا۔ اب مجھے شہاب کا سراغ لگانے میں آسانی ہو جائے گی۔ تم نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا کہ مجھے سارے کوائف بتا دیئے۔ تم بے فکر ہو کر اپنے کام میں لگے رہو۔ خدا حافظ

وائرلیس بند کیا تو عمار نے بھائی سے کہا۔

ہمیں دیکھ لینا چاہیے کہ درانی والے کارڈ پر ابو نے کچھ لکھا نہ ہو۔ انھوں نے درانی کو وہ کارڈ یقیناً اسی لیے دیا ہو گا کہ وہ یہاں پہنچ کر ہمارے ساتھ رابطہ قائم کرے۔

ارے ہاں! یہ تمہیں خوب سوجھی۔ مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔ کہاں ہے وہ کارڈ؟

میری نیلی جیکٹ کی جیب میں۔ اور دونوں لیبارٹری سے نکل کر اپنے کمرے

کی طرف چلے عامر نے گاڑی کی آواز سنی تو کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکا۔ یہ ان کی اپنی فیملی وین تھی جو ڈرائیو پر رکی اور ڈرائیور کی سیٹ پر سے کوئی چھلانگ لگا کر دوڑا۔

ارے.....ارے یہ آنٹی منصورہ کو کیا ہوا۔ کہتے ہوئے عامر دوڑتے ہوئے سیڑھیاں اترتا گیا۔اور دروازے پر منصورہ سے جاملا۔

کیابات ہے آنٹی؟وہ اسے تھام کر کمرے میں لے جاتے ہوئے بولا۔

ٹھہرو! مجھے سانس درست کر لینے دو۔ عامر نے اسے صوفے پر بٹھایا۔عمار پانی کا گلاس لینے دوڑا۔مسز شہاب بھی گڑبڑسن کر نیچے اتر آئی تھیں۔

ٹھہرو میں اس کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔وہ باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔

تباہ کار گینگ کی دھمکی

پانی پیا اور سانس درست کرتے ہوئے منصورہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ اتنے ہی میں مسز شہاب چائے کی پیالی لے کر آئیں اور صوفے پر منصورہ کے قریب بیٹھتے ہوئے دلاسا دینے لگیں۔

ہائے بے چاری منصورہ! کس قدر دہشت زدہ ہوئی! میں سپر مارکیٹ سے واپس آ رہی تھی کہ کسی نا ہنجار نے میری وین کی سائیڈ کو اس طرح دبایا کہ میں تصادم کے خوف سے کچے میں اترتی چلی گئی اور سڑک کے نیچے ایک کھڈے میں اتر گئی۔

تصادم تو نہیں ہوا؟ عامر نے گھبرا کر پوچھا۔

اسی خوف سے تو میں نے گاڑی سڑک سے تیزی کے ساتھ ایک طرف ہٹالی اور بچاؤ ہو گیا ورنہ اس نے تو سائیڈ مارنے سے دریغ نہیں کیا تھا۔ پھر اس بدمعاش نے اسی پر صبر نہیں کیا۔ میں ابھی سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ یہ بڑا سا پتھر میرے سر پر سے گزرتا ہوا پیچھے کی سیٹ پر گرا۔ اگر لگ جاتا تو میرا سر پھٹ گیا ہوتا اور میں وہیں بے ہوش پڑی رہتی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے پتھر کی جسامت بتاتے ہوئے کہا۔ لڑکوں کا مارے غصہ کے برا حال تھا۔

کاش وہ بدمعاش کہیں میرے ہاتھ آئے تو میں اس کے جبڑوں پر گھونسے مار مار کر اس کے دانت پیٹ میں اتار دوں۔ عامر نے دانت پیس کر کہا۔ عمار مارے جوش کے مکے تان تان کر رہ گیا۔ یہ تصور ہی ان لڑکوں کے نا قابل برداشت تھا کہ کسی نے ان کی پیاری پھوپھو کو دہشت زدہ کیا۔ عامر کے اشارے پر عمار دوڑا ہو

گیا اور گاڑی کی پچھلی والی نشست پر پڑا ہوا پتھر اٹھا لایا۔ اس کے اوپر ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا۔ کھول کر دیکھا تو اندر یہ سطریں تحریر تھیں:

"ان چھوکروں کو دوسروں کے معاملہ میں ناک ٹھونسنے سے باز رکھو ورنہ زیدی فیملی کو پیش آنے والی تباہ کاری کے ذمہ دار یہ دونوں لڑکے ہوں گے۔"

تباہ کار گینگ کی طرف سے یہ دوسری تنبیہ ہے اور ہمیں اس کے متعلق امی اور پھوپھو کو آگاہ کر دینا چاہیے۔ وہ گھر ہوتی ہیں تو چوکس رہا کریں۔ عامر نے کہا۔

ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں۔ انہیں معلوم ہی ہے کہ ایسی دھمکیاں تو ملتی ہی رہتی ہیں۔ عمار نے جواب دیا اور پھر دونوں بھائی شہاب زیدہ کا وہ ملاقاتی کارڈ جو ابرار درانی کے پرس سے ملا تھا۔ لے کر اپنی لیبارٹری میں چلے آئے۔

ایسی خفیہ تحریر پڑھنے کے لیے ایک خاص محلول ہر وقت بنا کر تیار رکھا رہتا تھا۔ عامر نے چھوٹے سے قلم سے محلول کارڈ کی پشت پر لگایا تو معاً بھورے رنگ کے الفاظ سطح پر نمودار ہوئے۔ دو لفظ لکھے تھے باب۔ اور دوسرا "بازشا" اور نیچے ٹک ٹیک ٹو شکل کا خاکہ بنا ہوا تھا جو ایک قسم کا کھیل ہے۔

اس سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ ابو بازشا اور رباب کے متعلق رابطہ سے واقف ہیں۔ مگر اس نقشہ سے کیا مراد ہے؟ عامر نے پوچھا۔ بہت دیر خیال دوڑانے کے بعد عاجز آکر عمار بولا۔

کاش! ابو چھوٹے چھوٹے لفظوں میں اپنا مدعا لکھ دیتے۔

سوچو تو سہی! کارڈ پر اتنی گنجائش ہے؟ عامر نے جواب دیا۔

چلو کسی فرصت کے وقت پر اٹھا رکھو۔ وقت تو ہو گی مگر یقین ہے کہ ہم اس کا مطلب اخذ کر لیں گے۔ فی الحال تو چلو کھانا کھائیں اور ہسپتال چل کر مسٹر درانی کا پتہ کریں۔

دونوں لڑکے سہ پہر سے پہلے ہی ہسپتال پہنچ گئے۔

سکیورٹی کے دفتر میں جا کر انچارج سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے متعلقہ معالج سے فون پر رابطہ قائم کر کے ریسیور عامر کو تھما دیا۔ عامر نے اپنا تعارف کراتے ہوئے ابرار درانی کا حال پوچھا۔

ویسے تو حالت اور صحت تسلی بخش ہے۔ مگر مریض ابھی تک ہوش میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

آپ کے خیال میں مریض کو کب تک ہوش آ جائے گا۔ عامر نے پوچھا۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے مریضوں کو ہوش میں آنے میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں تو آدمی ہفتوں مہینوں بلکہ سالوں بھی اسی طرح کوما میں پڑا رہتا ہے۔ مجھے یہ کہنا اچھا تو نہیں لگتا مگر ممکنات کو بہرحال ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا تو عامر بہت رنجیدہ ہوا۔

مجھے یہ معلوم نہ تھا اس کی حالت ایسی مایوس کن ہے کیا اسے کبھی ہوش نہ آئے گا؟ عامر نے پوچھا۔

دیکھئے یہ میری حتمی رائے نہیں ہے۔ میں ممکنات کی بات کر رہا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چند روز میں ہی ہوش میں آ جائے۔ اس کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ خون میں خواب آور نشیلے اثرات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ہم انہیں کم کرنے کی

انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر ابھی تک کچھ فرق رونما نہیں ہوا۔ ڈاکٹر نے بتایا۔

آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ وہ کتنے عرصہ سے اس نشہ کے زیر اثر ہیں؟ یہ تو کہا نہیں جا سکتا مگر نشیلے اثرات کی مقدار اس کے خون میں بہت زیادہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ کوئی بے حد تیز چیز استعمال کی گئی ہے جس کے اثرات دیر پا بھی ہیں۔

عامر نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور فون بند کرنے کے بعد تمام گفتگو عمار کو بتائی۔

یہی وجہ ہے کہ بے چارا درانی لوگوں کو ذہنی کی طرح لگ رہا تھا۔ عمار نے کہا۔ وہ اپنی خوش طبعی سے مجبور تھا۔

ہمیں امید کرنی چاہیے کہ وہ جلد ہوش میں آ جائے گا۔ عامر نے افسوس کے لہجہ میں کہا اور دونوں واپس آ گئے۔

اگلی صبح آنکھ کھلتے ہی عمار اخبار کھول کر دیکھنے لگا اور عامر کو جگا کر بتایا کہ اشتہار چھپ گیا ہے اور اس نے اشتہاروں کے مخصوص کالم میں ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے عامر کو دکھایا۔

ایس۔ خاں کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں! ہمیں اپنے متعلق جلد اطلاع دو تا کہ تمہاری رہائش کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جائے۔

تعجب کی بات ہے! بھلا ایک دن میں دس لاکھ ڈالر کا کیسے انتظام ہو گیا ہو گا! عمار نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

ابھی اس امکان پر بحث ہو رہی تھی کہ صدر دروازے پر زور کی دستک ہوئی۔

یہ اتنی سویرے کون آ گیا؟ عمار بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر دیکھنے گیا۔ یہ ان کا دوست عرفان تھا۔ جو ان کا کلاس فیلو اور شہاب صاحب کے ایک قریبی دوست کریم

صاحب کا بیٹا تھا۔ ڈرائیو پر عرفان کے والد کی کنسٹرکشن کمپنی کا بڑا سا ٹرک نما پک اپ موجود تھا۔ عامر نے عرفان کو ناشتے کے لیے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ بہت سویرے بلا ناشتہ کسی کام سے نکلا تھا۔ عامر نے چائے بنا کر دی اور سلائس کی پلیٹ اور مکھن اس کے آگے رکھتے ہوئے بولا۔ اب اتنی سویرے یہاں نازل ہونے کا سبب بھی ساتھ ساتھ بتاتے جاؤ۔

عرفان نے چائے کا گھونٹ نگلا اور بولا:

میں کھاڑی کی طرف مچھلی کے شکار کو گیا تھا واپسی پر میں نے دیکھا کہ تمہاری کشتی کیگرد کوئی اجنبی منڈلا رہا تھا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ کہیں نظر نہ آیا۔ دور کنارے پر کوئی تیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ میں نے سوچا تمہیں خبر کر دوں۔

ہوں! ٹھیک ہے شکریہ! عامر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور اتنے میں ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ عمار دوڑتا ہوا گیا اور ریسیور اٹھایا۔ کوئی اجنبی اور غیر مانوس سی آواز تھی۔ کیا یہ شہاب زیدی کا مکان ہے؟ اس نے پوچھا۔

جی ہاں! مگر میرے والد صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔ عمار نے جواب دیا۔

تم ان کے لڑکوں میں ایک ہو تو کنٹونمنٹ کے بڑے تفریحی پارک میں ابھی پہنچ جاؤ۔ میں تمہارے ذریعے باپ کو مزید پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا۔

مگر ہم آپ کو پہچانیں گے کیسے؟ عمار نے سوال کیا مگر...... اس نے بغیر کچھ کہے فون بند کر دیا۔

عمار ششدر سا واپس آیا اور بھائی سے ساری گفتگو من وعن بیان کی تو عامر چھلا

کر بولا۔

وہ کم بخت کچھ بتاتا تو سہی کہ پارک کے اندر ملے گا یا باہر۔ اب اتنے لمبے چوڑے پارک میں ہم لوگوں کے منھ جھانکتے پھریں گے۔

لیکن ہمیں تو اس کی شناخت ہی نہیں۔ منھ جھانک کر تو کیا کریں گے۔ عمار نے ہنس کر کہا۔ عامر سنجیدہ رہا۔

عمار! اس کی آواز کیسی تھی؟ یاد کرو کبھی پہلے سنی ہے یہ آواز؟ عامر نے پھر سوال کیا۔

میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنی اصلی آواز میں بات نہیں کر رہا تھا۔ آواز بدل کر کسی قسم کے فلٹر میں سے بول رہا تھا۔ عمار نے بتایا۔

عرفان کو رخصت کر کے دونوں نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا۔ ضروری سامان جیبوں میں ڈالا اور کار نکال کر تفریحی پارک کی طرف روانہ ہوئے جوان کے گھر سے کئی میل کے فاصلے پر تھا۔ پون گھنٹے میں وہ پارکنگ پر پہنچ پائے۔ ابھی پہر دن بھی نہیں چڑھا تھا۔ مگر پارکنگ کا آدھے سے زیادہ حصہ کاروں سے رکا ہوا تھا اور زندہ دلان شہر تفریح طبع کے لیے پہنچ چکے تھے۔ لڑکوں نے اپنی کار پارک سے باہر ہی ایک طرف ٹھہرا دی اور اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک بہت وسیع پارک تھا۔ جس میں بڑے بڑے لان اور مختلف کھیلوں کے لیے جدید وضع کی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ عامر نے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔ اب ہم اسے پہچانیں گے کیسے؟

تو وہ خود ہمیں پہچان لے گا۔ عمار نے بھائی کی فکر رفع کرنے کے انداز میں

کہا۔

بہر حال اب پروگرام کیا ہے؟ عامر نے پوچھا اور پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔

ایسا کرتے ہیں مخالف سمتوں میں الگ الگ ہو کر پورے پارک کا چکر لگاتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں تو وہ ہمارا منتظر ہو گا۔

ہاں، یہ ٹھیک ہے عمار نے تائید کی اور بوتلوں کے سٹال کے سامنے سے ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف، کوئی آدھ گھنٹے کے بعد دونوں پھر وہیں آ ملے۔ سناؤ کیا خبر ہے؟ عامر نے پوچھا۔

کچھ بھی نہیں۔ کوئی شخص مجھے اپنی طرف متوجہ نظر نہیں آیا۔ عمار نے کہا۔

میں نے دوبار ایک آدمی کو ہجوم میں دیکھا جو ان پانچ تصویروں میں ایک سے کچھ ملتا جلتا معلوم ہوا۔ مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح دیکھ نہ سکا۔ عامر نے کہا۔

اگر وہ ہوتا تو قریب رہنے کی کوشش کرتا۔ عمار نے جواب دیا۔

آؤ! اندر چلتے ہیں۔ عامر نے کہا اور دونوں ٹکٹ گھر کی کھڑکی کے باہر لگی ہوئی لمبی قطار میں کھڑے ہو گئے۔

عامر نے دو ٹکٹ خریدے اور قطار میں چلتے ہوئے عمارت میں داخل ہوئے۔ یہ بلڈنگ اگرچہ جدید طرز کی بنی ہوئی تھی مگر اس کی تعمیر کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی ٹوٹا پھوٹا، بھول بھلیوں کا کھنڈر ہو۔

وہ ایک تنگ سی گلی میں جا رہے تھے۔ نیم تاریکی کے جھٹپٹے میں ہر موڑ پر انہیں

ڈراؤنی یا مسخری صورتیں نظر آئیں۔ جو آہیں بھرنے یا کراہنے کی پراسرار آوازیں نکالتے ہوئے جھانکتیں اور پھر غائب ہو جاتیں یا پھر کوئی مسخرا اچانک راستے میں آ جاتا اور دیوانہ وار قہقہے لگاتا۔

ایک موڑ مڑتے ہی وہ پراسرار شیش محل میں آ گئے۔ چاروں طرف سینکڑوں کی تعداد میں اپنی شبیہ دکھائی دینے لگی اور یہیں پہنچ کر عمار کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے بھائی سے الگ ہو گیا ہے۔ وہ اسے بلند آواز میں پکارنے لگا مگر اس کی آواز گونج کر واپس آ جاتی۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا، روشنی مدھم ہوتے ہوتے ایک مرحلہ پر یکسر اندھیرا ہو گیا۔ اس کا پیر کسی ڈھلوان پر سے رپٹا اور وہ گر پڑا اس نے ہاتھ فرش پر ٹیک کر سہارا لیا۔ فرش گیلا اور پھسلواں تھا جس پر پھسلتا ہوا وہ کہیں نیچے جا رہا تھا اور تب ہی کسی نے اس کا بازو پکڑا...... عمار اس نے پکارا مگر جواب میں کسی نے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھما دیا اور بازو چھوڑ دیا۔

کون ہے؟ کون ہو تم؟ ٹھہرو ذرا ٹھہرو! اس نے ادھر اُدھر ہاتھ لپکاتے ہوئے چلا کر کہا مگر اس کے بازو ہوا میں لہرا کر رہ گئے اور وہ تیزی سے پھسلتا چلا گیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد اس کے پیر خود بخود ٹھوس اور ہموار زمین پر ٹک گئے۔ وہ بلڈنگ کے عقب میں پارک کے قریب کھڑا تھا۔ عمار اس سے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

وہ کہاں گیا؟ اسے بھی تو میرے ساتھ ہی پہنچنا چاہیے تھا؟ عامر نے حیرت زدہ ہو کر اردگرد دیکھا۔

کون؟ کیسے؟ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ عمار نے بھی حیران ہو کر بھائی سے پوچھا۔

ابھی ابھی کسی نے اندھیرے میں یہ میرے ہاتھ میں تھما دیا! عامر نے کہا۔

لیکن تم نے اسے پکڑ کیوں نہ لیا۔ عمار بولا۔

وہ اس قدر اچانک یہ لفافہ میرے ہاتھ میں ٹھونس کر خبر نہیں کہاں غائب ہو گیا؟ عامر ابھی تک پریشان سا کھڑا تھا۔

پھر دونوں نے لفافے پر نگاہ ڈالی۔ اس دفعہ صرف باب ہی لکھا تھا۔ اب مزید تلاش بے کار سمجھ کر دونوں اپنی گاڑی کی طرف آئے اور باب فیکٹری کی طرف روانہ ہو گئے۔

پہلی ڈیوڑھی میں موجود گارڈ نے انہیں پہچان لیا اور فوراً ان کے آنے کی اطلاع کر کے انہیں اندر چیف کے کمرے میں پہنچا دیا۔

زمرد کی صورت میں ادائیگی

عقاب کے چہرے والے ایجنسی چیف نے بڑے غور سے لڑکوں کی باتیں سنیں اور بڑے اشتیاق سے لفافہ کھولا۔ اب بھی کوڈ میں خط تحریر تھا۔ جسے اسی طرح ترجمہ کرایا گیا۔ مضمون یوں تھا:

''معلوم ہوا کہ میری شرائط منظور ہیں۔ چنانچہ دس لاکھ ڈالر کی ادائیگی اسی مالیت کے زمرد کی صورت میں کی جائے۔ کم قیمت یا نقلی چیز دے کر دھوکا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ میں خود قیمتی جواہرات کا ماہر ہوں۔ میں زیادہ سے زیادہ بہتر گھنٹوں کی میعاد دے سکتا ہوں۔ اسی طرح اشتہار کے ذریعے آگاہ کریں۔''

دس لاکھ ڈالر کے لیے تین دن کی میعاد! ایسی آزمائش کہ فولادی اعصاب بھی ہوں تو جواب دے جائیں! کیا خیال ہے؟ ایجنسی چیف نے فکر مند ہو کر کہا۔

ممکن ہے اپنے گینگ کے خوف سے خود اس کے اعصاب جواب دے چکے ہوں۔ عمار کہہ اٹھا تو چیف مسکرایا۔

یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے! اور پھر رقم کی نسبت کم جسامت کا جواہر چھپا کر لے جانا زیادہ آسان ہوگا! لیکن اس کی آسانی کے لیے ہمیں مشکل درپیش ہوگی۔ اتنی مالیت کا ایک ہی زمرد ہمیں کیسے حاصل ہوگا۔ چیف پریشان ہو کر بولا۔

ممکن ہے اس میں ہم کچھ مدد کر سکیں۔ عامر نے کہا۔

وہ کیسے؟ چیف نے حیران ہو کر پوچھا اور توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ابو نے ایک مقامی فرم عشرت جیولری کمپنی کے لیے بہت کام کیا ہے۔ ان کے

بے حد قیمتی ،مسروقہ جواہرات اور زیورات انہیں واپس دلوائے ہیں۔میرا خیال ہے وہ لوگ بخوشی ہمارے لیے ایسا زمرد مہیا کر دیں گے۔

عامر کے کہنے پر ایجنسی چیف کچھ مطمئن نظر آنے لگا اور بولا۔

اگر ایسا ہو جائے تو بڑی آسانی ہو جائے گی۔آپ ان سے بات کریں۔پھر مجھے اطلاع دیں۔میں انہیں فوراً نقد ادائیگی کرا دوں گا۔

چیف سے رخصت ہو کر لڑکے گھر واپس آئے۔عامر نے فوراً ہی عشرت جیولری کمپنی کو فون کیا اور مینیجر سے بات کرنے کی خواہش کی۔مینیجر نے عامر زیدی کا نام سنتے ہی سب کام چھوڑ کر فون سنا۔عامر نے انتہائی ضرورت کے پیش نظر مینیجر کو ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

ہمیں حال ہی میں ایک بڑے سائز کا نہایت عمدہ زمرد عارف بھائی کی فرم سے ملا ہے جس کے متعلق ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ تراشنے اور پالش کرنے کے بعد اس نایاب جواہر کو اپنی فرم کی نمائش میں شامل کریں گے جو اگلے سال منعقد ہو گی ......لیکن اب آپ کے بیان کے موجب مجموعی مفاد کے آگے ہر دوسرا مقصد ہیچ ہے۔اگر چہ اس جواہر کی قیمت حقیقتاً دس لاکھ ڈالر سے زیادہ ہے۔لیکن ہم اتنی ہی رقم پر یہ گورنمنٹ کو دینے کو تیار ہیں۔

مینیجر نے بڑے جوش کا مظاہرہ کرتے ہوئے حب الوطنی کا ثبوت دیا اور عامر کے شکریہ ادا کرنے پر بولا۔"آپ کی اور ملک کی خاطر تو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ اتنی جسامت کا زمرد آپ کو اتنے کم وقفہ میں کہیں سے نہیں مل سکتا۔عامر نے دوبارہ شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا پوچھا کہ زمرد کب تک

تراش دیا جائے گا۔؟

''صاحب آپ کی خاطر تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تیار ہو جائے گا۔بس کام تو جاری ہے۔'' منیجر نے کہا۔تو عامر نے اسے پتہ سمجھایا کہ زمرد کس جگہ پہنچایا جائے اس کام سے تسلی پا کر دونوں بھائیوں نے سوچا کہ آج کے دن کوئی اور کام نہیں تو دوستوں سے ملاقات کی جائے ان کے لیے ایسے مواقع شاذونادر ہی آتے تھے کہ انہیں فرصت ہو۔چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بابر کے فارم کی طرف چلے۔ لیکن یہ معلوم کر کے انہیں مایوسی ہوئی کہ وہ صبح سے گیا، ابھی تک نہیں لوٹا۔وہ بددل ہو کر واپس چلے آئے لیکن راستے میں انہیں بابر مل گیا۔اسے دیکھتے ہی عامر نے کہا۔یہ آج پیدل کہاں سے آرہا ہے۔اور اس کے قریب پہنچ کر گاڑی روک لی۔

تم......؟تم دونوں کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

ایک بھگوڑے کو تلاش کر رہے ہیں۔گم شدہ کی تلاش کا اشتہار دینے جا رہے تھے۔عمار نے کہا۔

ٹھیک کہتے ہو! آج نہیں تو کل تمہیں ایسا کرنا ہی پڑے گا۔اس نے بسور کر کہا۔

ارے نہیں بھئی! وہ تو مذاق کر رہا ہے۔ویسے معاملہ کیا ہے بابر! تم کافی پریشان دکھائی دے رہے ہو بھیا! بات کیا ہے؟ یہ کہتے کہتے عامر کار سے باہر آ گیا۔عمار بھی نکل آیا۔دونوں حیرانی سے بابر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

نہیں! ٹھیک کہتا ہے عمار۔میں واقعی گھر سے فرار کی سوچ رہا ہوں وہ سنجیدہ ہو کر کہہ رہا تھا اور اس کے گداز گال لال بھبھوکا ہو رہے تھے۔دونوں لڑکے پریشان

ہو گئے۔

کس وجہ سے؟ عامر نے پوچھا۔

ایک بہت بڑے...... دیوزاد خرگوش کی وجہ سے۔

اس نے سنجیدگی سے کہا تو عمار بے ساختہ ہنس پڑا۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

دیوزادخرگوش

بات بھی تو ہنسنے کی تھی۔ عامر بھی ضبط کے باوجود مسکرا ہی پڑا۔

بھلے آدمی! کچھ سوچ سمجھ کر بات کرو۔ وہ دیوزادخرگوش کہاں سے آ گیا۔؟ عامر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اپنے بڑے سے سرخ رومال سے پسینہ خشک کر رہا تھا۔

وہ کہتے ہیں نا کہ بلی کو چھیچھڑوں کے خواب! تو یہ بھی خرگوش پالتے پالتے اب اسی جنون میں دیوزادخرگوش جاگتے میں دیکھنے لگا ہے۔ عمار نے ہنس کر کہا۔ میں نے اور کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ کوئی مجھے دیوانہ سمجھے گا لیکن تمھیں اس لیے بتانا چاہتا تھا کہ اس کا کوئی حل تلاش کرو۔ مگر خود تم بھی میرا مذاق اڑانے لگے۔ اس نے افسردہ ہو کر کہا۔

مگر بابر کیا تم سچ مچ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟ عامر نے پوچھا۔

اور نہیں تو کیا! میری جان پر بنی ہے اور تم مذاق سمجھ رہے ہو۔ وہ روہانسی آواز میں بولا اور عامر کے وعدہ پر کہ اس کا مذاق نہیں اڑائیں گے، اس نے کہا۔

ان دو دنوں میں میں چھ بار وہ میرے پیچھے آیا ہے۔ اتنا اونچا سفید خرگوش! یہ بڑے بڑے کان! اس نے ہاتھ کے اشاروں سے خرگوش کا قد و قامت بتایا۔

اچھا، اس کے متعلق آرام سے بیٹھ کر بات کریں گے فی الحال تم بتاؤ تمھیں گھر چھوڑ آئیں یا ہمارے ساتھ چلو گے۔؟ عامر نے پوچھا۔

تم کہا جا رہے ہو؟ اس نے پوچھا۔

ہم تو ذرا یونہی گھومنے پھرنے نکلے ہیں۔ عامر نے جواب دیا۔

پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ گھر جا کر کیا کروں گا۔ بابر نے کہا اور تینوں لڑکے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عامر آج لمبی ڈرائیو کے موڈ میں تھا۔ لمبے لمبے چکر لگاتے وہ سپر مارکیٹ میں آ نکلے۔ عمار کو کچھ چھوٹی موٹی چیزیں خریدنے کا خیال آ گیا۔ جن کے لیے عرصہ سے فرصت نہ ملی تھی۔ وہ مارکیٹ میں چلے جا رہے تھے ایک دم چونک کر عامر نے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ادھر لین میں دیکھو عمار......! وہ دروازے میں جو زردٹی شرٹ والا آدمی کھڑا ہے وہ بازشا ہے۔

ہاں اسی کو میں نے صبح پارک میں دیکھا تھا۔ یہ بھی اس کا ان تصویروں میں سے ایک بہروپ تھا۔ عمار نے جواب دیا۔ بابر کچھ نہ سمجھا کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ وہ سیدھے جاتے جاتے ایک دم لین میں مڑ گئے اور زرد شرٹ والا آدمی انہیں مڑتے دیکھ کر تیزی سے نکل کر آگے آگے چلتا نکڑ گھوم گیا۔ عمار چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے دوڑ لگائے مگر عامر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

جانے دو! اگر وہ خود ہم سے رابطہ قائم رکھنا نہیں چاہتا تو ہم کیوں اس کا تعاقب کریں۔ جو طریقہ اس نے اختیار کر رکھا ہے اسی پر اکتفا کرو۔ عامر نے کہا۔

مگر وہ کیوں ہمارا تعاقب کرتا ہے؟ عمار بولا۔ ممکن ہے یہ محض اتفاق ہو کہ ہمارا یہاں اس سے سامنا ہو گیا۔ عامر نے جواب دیا۔

معاً عمار ٹھٹھک کر اس دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے بازشا کھڑا تھا۔

وہ دیکھو سامنے دروازے پر چاک سے ٹک ٹیک ٹو کا خاکہ بنا ہے۔

تینوں لڑکے دیکھنے لگے۔ دروازے کے پٹ پر چاک سے ویسا ہی نقشہ بنا تھا جیسا شہاب زیدی نے خفیہ سیاہی کے ساتھ اپنے کارڈ پر بنا رکھا تھا۔ بابر کو حیران دیکھ کر عامر نے کار تک پہنچتے پہنچتے اسے آج اور گذشتہ کل کے سارے واقعات مختصر طور پر سنا دیئے۔ کیونکہ بابر کا وہ پہلا خط تو اسی کی معرفت آیا تھا۔

تمہارا خیال ہے کہ یہ خاکہ اس آدمی نے ابھی ابھی بنایا ہے؟ بابر نے پوچھا۔

تو اور کیا! عمار نے اس کے سوال پر چڑ کر کہا۔

اور کیا وہ اس کے ذریعے تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہے؟ بابر نے دوسرا سوال کیا تو دونوں لڑکے چونکے۔ عین ممکن ہے! مگر کیا بتانا چاہتا ہے، یہ فی الحال ہم نہیں سمجھ سکتے۔ عامر نے جواب دیا اور تینوں گاڑی میں آبیٹھے۔

لو اب بتاؤ ہمارے ہاں چلو گے یا تمہیں گھر چھوڑنے جائیں؟ گاڑی دورا ہے پر پہنچی تو عامر نے پوچھا۔

گھر ہی چھوڑ آؤ، صبح نکلا ہوا ہوں۔ اس نے بے دلی سے کہا۔

عامر نے سپیڈ تیز کر دی اور پندرہ منٹ میں فارم پر پہنچ گئے۔ وہ ابھی گاڑی سے اترے ہی تھے کہ بابر کی بہن یاسمین انہیں دیکھ کر دوڑی ہوئی آئی۔

یہ دیکھو! ڈاک میں کیا آیا ہے؟ اس نے ایک کھلونا پکڑ رکھا تھا۔ تینوں لڑکے حیران ہو کر اس چیز کو دیکھنے لگے۔ یہ مینڈک نما آدمی تھا۔ یعنی دھڑ انسان کا اور سر مینڈک کا اور اس کے اوپر بڑا سا لفظ تباہ کار لکھا تھا۔

وہ اب نہ صرف ہمارے گھروں بلکہ ہمارے دوستوں کے گھروں میں بھی

دھمکیوں کے اشارے دینے لگے ہیں۔ یہ اس دن کے واقعہ کی یاددہانی ہے جس دن کسی نے سمندر میں عاصم کو پانی میں کھینچا تھا۔ عامر نے کہا۔ اس کے اوپر پتہ کس کا تھا؟ عمار نے پوچھا۔ گھر کا۔ یاسمین نے جواب دیا۔

پیکٹ کے اندر سے کوئی رقعہ وغیرہ نکلا؟ عامر نے سوال کیا تو یاسمین نے نفی میں سر ہلایا اور وہ اسے گھر سے باہر نہ جانے کی تاکید کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیو سے نکل کر گھر کی طرف جاتے ہوئے عمار کو معاً کچھ خیال آیا۔

میرا خیال ہے کہ کشتی کو دیکھتے چلیں۔ عرفان نے اس کے گرد کسی اجنبی کو منڈلاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی قباحت پیدا ہو۔ چنانچہ وہ ساحل پر پہنچے اور اپنی بوٹ کے گردوپیش دیکھ کر تسلی کر لی کہ کشتی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے وہ بوٹ ہاؤس سے نکلنے ہی لگے تھے کہ ٹک ٹک کی مدھم آواز نے انہیں متوجہ کیا۔ یہ...... یہ تو کہیں بم چھپایا گیا ہے! عامر نے یک دم چونک کر کہا۔

بم......! عمار نے اس کی بات کو دہرایا۔

☆☆☆

جلدی کرو! ڈھونڈو کہاں ہے بم ورنہ...... عامر نے کہا اور دونوں بھائی دیوانہ وار ادھر اُدھر تلاش کرنے لگے۔ ٹک ٹک کی آواز آرہی تھی مگر وہ اس کے مرکز کو نہیں پارہے تھے۔ آخر عمار کی آواز آئی ...... یہ رہا......! عامر دوڑ کر قریب پہنچا۔ پینٹ والا خالی ڈبا وہاں پڑا تھا۔ اب اس کے اندر کوئی گلاب جیسا محلول بھرا تھا اور اس کے ساتھ تار بندھے تھے جن کے ذریعے انھوں نے کشتی کے اندر ایک مشینری پڑی پائی جو کسی گھڑی کے الارم سے ملتی جلتی تھی۔ عامر نے بجلی جیسی تیزی سے یہ سب کچھ اٹھایا اور باہر پانی میں پھینک دیا۔ یہ پلاسٹک بم تھا۔

شکر ہے خدایا! دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

خدا نے بہت بڑے خطرے سے بال بال بچایا۔ عامر نے لمبا سانس لیا۔

انتہا ہے بھئی! آخر یہ تباہ کار گینگ سب کچھ چھوڑ کر ہمارے ہی پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔

یہ باتیں کرتے ہوئے وہ ساحل پر جا رہے تھے کہ کھاڑی کے دوسرے کنارے سے کسی نے انہیں پکارا۔ یہ عرفان کی سٹیم بوٹ نیپالی ہے۔ ایک عرفان ہے اور دوسرا......؟

عامر نے پہچاننے کی کوشش کی۔

وہ انور چودھری ہے پولیس انسپکٹر محمود صاحب کا بیٹا۔ عمار نے کہا ادھر سے عرفان کی آواز آئی۔ تم کشتی دیکھنے آئے تھے...... کچھ ملا؟ اس نے پوچھا۔

بہت کچھ! عمار جوش سے پکارا اور عامر نے بتایا۔

ایک نئی قسم کا ٹائم بم! جس پر کشتی میں دونوں لڑکے چونکے۔

کیا سچ! وہ حیران ہوکر پوچھنے لگے۔

بالکل سچ! مگر تم اپنی سناؤ؟ کتنی مچھلیاں پکڑیں؟ عمار نے پوچھا تو عرفان نے اپنی بنسی اوپر اٹھائی جس میں کانٹے کے ساتھ ایک موٹی تازی راہو لٹکی ہوئی تھی اور کہنے لگا۔

ہم نے ایک خاص جگہ دریافت کیا ہے جو راہو مچھلیوں کا گڑھ ہے۔

ارے بھئی کیا ہمیں نہ بتاؤ گے وہ گڑھ؟ کیا اپنے ہی لیے چھپا کر رکھو گے؟ عمار نے بلند آواز سے پکار کر کہا۔

کیوں چھپائیں گے؟ تم کل ہی چلو ہمارے ساتھ! عرفان نے کہا۔

اور دونوں لڑکے اپنے دوستوں کو خدا حافظ کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف چلے۔ ابھی کچھ فاصلے پر تھے کہ گاڑی کے اندر سے انہیں کچھ مبہم سی آوازیں سنائی دیں تو وہ چونکے۔ عامر نے کہا۔

یہ تو وائرلیس ریڈیو کی آواز ہے! اور دونوں دوڑ پڑے۔ ڈیش بورڈ پر سرخ لائٹ جل بجھ رہی تھی۔ عامر نے فوراً ایک سوئچ آن کیا اور بولا ہیلو! میں عامر ہوں فرمایئے؟

عامر تمہارا دوست بابر کسی مشکل میں گرفتار ہے اس کا ابھی فون ملا تو اس نے تمہیں جلد از جلد فارم پر پہنچنے کا پیغام دیا ہے۔ یہ منصورہ پھوپھو کی آواز تھی۔ اتنا کہ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا۔ عامر نے عمار کو صورت حال بتائی اور فوراً ہی گاڑی

سٹارٹ کر کے بابر کے فارم کی طرف روانہ ہو گئے۔

جیسے ہی وہ ڈرائیو پر پہنچے، بابر برآمدے سے چھلانگ لگا کر ان کی طرف دوڑا۔لڑکے کار سے اتر کر اس کی طرف بڑھے۔

خیریت تو ہے گھر میں؟ عامر نے پوچھا۔

گھر میں تو سب خیریت ہے۔ایک میں ہی خیریت سے نہیں ہوں۔وہ روہانسی آواز میں بولا۔

کیوں، تمہیں کیا ہوا؟ کیا پھر دیو زاد خرگوش نے تمہارا پیچھا کیا؟ عامر نے پوچھا۔

تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ آنکھیں پھیلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

کیا واقعی تم سنجیدگی سے بات کر رہے ہو بابر؟ عامر نے پوچھا۔

ارے بھائی خدا کے لیے یقین کر لو کہ میں بالکل سنجیدہ ہوں! اس نے رونے کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔اور دوستوں کو ساتھ لیے ہوئے اندر آیا۔اس نے بتایا کہ گھر کے سب لوگ کچھ خرید و فروخت کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔وہ گھر میں اکیلا ہے۔

ابھی ابھی میں ٹی وی لگانے کے لیے اٹھا تو کھڑکی کے باہر جھانکا۔وہ بتا رہا تھا اور دہشت زدہ نگاہوں سے اپنے شانے پر سے دیکھ رہا تھا۔پھر؟ تمہیں کیا نظر آیا؟ عمار سے صبر نہ ہو سکا اور اس نے پوچھ لیا۔

آؤ! تمہیں دکھاؤں۔اس نے کہا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔وہ باورچی خانے سے نکل کر دبے پاؤں چلتے ہوئے عقبی صحن میں پہنچے۔بابر نے انہیں

آہستہ چلنے کا اشارہ کیا اور نکڑ مڑ کر سبزیوں کی کیاریوں میں سے ہوتا ہوا اس باڑ کے پیچھے جھک کر بیٹھ گیا جو باغ اور کیاریوں کے درمیان تھی۔ عامر اور عمار بھی اس کے ساتھ اسی انداز میں اکڑوں بیٹھ گئے۔ اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ دیکھو!

اس کے اشارہ پر دیکھا تو باغ کی طرف جانے والے چھوٹے راستے کی نکڑ پر باڑ کے پیچھے سے دو لمبے لمبے نوکیلے سفید کان باڑ کے اوپر اٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔

ارے بھئی! یہ تو سچ مچ کے خرگوش کے بڑے بڑے کان ہیں۔ میں تو اسے بابر کا ذہنی انتشار سمجھتا رہا۔ پھر دیکھا تو کان غائب ہو چکے تھے۔

اور اسی لیے میرا مذاق اڑاتے رہے جیسے میں پاگل ہوں۔ بابر نے شکایت کی اتنے ہی میں دونوں کان گز بھر آگے باڑ کے اوپر ابھرے۔

لگتے تو خرگوش ہی کے کان ہیں مگر ہیں نقلی! آؤ میرے ساتھ!

اتنا کہ کر عامر نے ایک جست لگائی اور باڑ کے دوسرے سرے پر پہنچ گیا اور عمار اور بابر بھی اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔ وہ دیوزاد خرگوش مکئی کے کھیت میں گھس گیا۔ سر سے اونچے مکئی کے پودوں میں وہ چھپ تو گیا مگر پودے ٹوٹنے کی آواز آرہی تھی۔ یہ ساتھ ساتھ کھیت کے کنارے دوڑتے ہوئے دوسری طرف پہنچ گئے۔ مگر وہ راستہ بدل کر پہلو کے کنارے سے نکل گیا تھا۔

وہ دیکھو! وہ جا رہا ہے! بابر چلایا۔ دیکھا تو وہ رس بھری کی گھنی جھاڑیوں میں چھپتا تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ وہ بجلی کی طرح لپکے اور جھاڑیوں کے پاس پہنچے۔

جو سنہری چھال والی پکی پکی رس بھریوں سے لدی ہوئی تھیں مگر خرگوش کہیں نظر نہ آیا۔وہ حیران سے کھڑے ہوکر ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔یک دم ایک گھنی جھاڑی کو جنبش ہوئی اور ہوہ...... ہو...... ہو! کی آواز کے ساتھ دیوزاد خرگوش ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔بابر کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔اور وہ ہکلا کر بولا۔

ارے دیکھنا...... میں نہ کہتا تھا کہ...... کہ یہ اصلی دیوزاد خرگوش ہے۔عامر نے ہنس کر کہا اور آگے بڑھ کر خرگوش کا کان پکڑتے ہوئے اس کی ٹوپی کھینچ لی۔سامنے ان کا دوست اور کلاس فیلو ناصر کھڑا ہنس رہا تھا۔اس نے بتایا کہ وہ ایک دن بازار گیا۔تو کباڑیئے کی دکان پر اسے یہ لباس لٹکا ہوا دکھائی دیا۔اس نے سوچا دوستوں سے مذاق کرنے کے واسطے یہ اچھی چیز ہے اور اس نے خرید لیا۔

مگر تم نے بابر ہی کو کیوں ہدف بنایا؟ اور دوست بھی تو تھے۔عامر نے کچھ برا مانتے ہوئے کہا اور پیچھے کی جھاڑیوں سے ان کے دوست نکل کر آ گئے۔

وہ اس لیے کہ بابر کو خرگوش پالنے کا شوق ہے۔ناصر نے جواب دیا۔

اور اسی پر میں اچھے خرگوشوں کا ایک جوڑا تمہیں تحفہ کے طور پر پیش کروں گا۔ بابر نے کہا۔اسے معلوم تھا کہ ناصر کو خرگوشوں سے چڑ ہے۔

اف! نہیں بھئی۔ایسا تحفہ نہیں چاہیے مجھے، ناصر نے جھرجھری لے کر کہا۔ اسے خرگوشوں سے بڑی نفرت تھی۔

اس کے بعد بابر سب کو لے کر برآمدے میں آیا۔اور چائے سے ان کی تواضع کی۔اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ دیوزاد خرگوش سے اسے نجات مل گئی۔چائے کے بعد ناصر اور اس کے دوست رخصت ہوئے۔عمار نے بابر کا کندھا تھپتھپاتے

ہوئے کہا۔ ایسے بے ہودہ مذاق کو اتنے تحمل سے برداشت کر جانا بھی تمہارا ہی کام تھا میرے دوست!

بابر ہنس کر کہنے لگا۔

میں نے بھی خرگوش کے چھ بچے اس کی وین میں رکھ دیئے ہیں۔ گھر جا کر دیکھے تو سہی۔

جاسوسی کشتی

صبح ہی عامر اور عمار تیار ہو گئے اور ناشتہ کر کے ساحل پر پہنچ گئے۔ عرفان اور اس کا دوست انور حسب وعدہ پہلے ہی سے موجود تھے۔ ان کی بوٹ آہستہ آہستہ پانی پر بڑھی آ رہی تھی۔ لڑکوں نے بھی اپنی کشتی نکالی اور اپنے دوست کی کشتی کے قریب لے آئے۔ رسمی مزاج پرسی کے بعد عرفان نے اپنی کشتی کی رفتار تیز کر دی اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ پانچ سات منٹ کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں عرفان نے مچھلیوں کا گڑھ دریافت کیا تھا اور اس نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ اس نے سامنے گرجا اور ریڈیو اسٹیشن کے انٹینا کی نشانی رکھی ہوئی ہے وہ بھی اسی نشانی پر آئندہ اس محل وقوع کو یاد رکھیں۔

لڑکوں نے انجن بند کر دیئے اور اپنی بنسیاں نکال کانٹوں میں چمکے لگائے اور پانی میں ڈال کر انتظار کرنے لگے۔ عرفان نے جلد ہی بڑی سی مچھلی پکڑ لی مگر عامر کی توجہ مچھلی سے زیادہ کسی اور طرف تھی۔ اس نے جیسے ہی انجن بند کیا لہروں کے زیر و بم کی آواز میں ملی جلی ایک آواز بھی آ رہی تھی۔

سننا ذرا عمار! یہ کیسی آواز مجھے جیسے اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہو رہی ہے......؟ ٹک ٹک کا مرکز تلاش کرنے لگے۔

یہ آواز انجن میں سے آ رہی ہے! عمار چلایا۔ اور دونوں نے جا کر انجن کا ڈھکنا کھول دیا۔ واقعی اس کے اندر ٹائم بم فٹ کر رکھا تھا اور خوش قسمتی سے اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر اسے نکالنے کی کوشش کرتے، ایک دھماکے کے ساتھ بم پھٹا اور

کشتی کے پیندے میں سوراخ کرتا ہوا پانی میں نکل گیا اور کشتی میں پانی بھرنے لگا۔

دھاکے سے دونوں لڑکے اچھل کر دور جا گرے تھے اور غنیمت تھا کہ معجزانہ طور پر بچاؤ ہو گیا تھا۔ عرفان اپنی کشتی بہت قریب لے آیا۔ رسی پھینک کر دونوں لڑکوں کو اپنی کشتی پر آنے کو کہا۔

اس سے پہلے کہ بوٹ پانی بھر کر غرق ہو جائے، اسے کنارے پر لے جانا چاہیے۔ انھوں نے اسے اپنی کشتی سے باندھا اور کنارے پر کھینچ لائے۔ حامد نے کوسٹ گارڈ کے دفتر میں ٹیلی فون کیا اور جاسوسی کشتی اور بم کے متعلق رپورٹ لکھوائی۔

اس جاسوسی کشتی کو وہ اپنی کشتیوں سے کوئی پچاس گز کے فاصلہ پر پانی میں ٹھہرے ہوئے دیکھتے رہے تھے۔ پھر جیسے ہی بم کا دھماکہ ہوا، اسی کشتی کا انجن سٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور وہ تیز رفتاری سے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

گھر واپس آتے ہوئے عمار نے کہا کتنی تیزی سے وہ کشتی غائب ہوئی؟

جو کچھ دیکھنے کے لیے وہ ٹھہرے ہوئے تھے دیکھ چکے تھے تو پھر کیوں کھڑے رہتے۔ ایسی کیبن والی کشتی میں نے پہلے اس کھاڑی میں کبھی نہیں دیکھی۔ وہ ضرور جاسوسی کے لیے ہمارے پیچھے لگی تھی۔ حامد نے کہا۔

گھر پہنچ کر انہوں نے سارا واقعہ ماں اور آنٹی کو بتایا۔

چلو خیر گزری اور بچاؤ ہو گیا۔ امی نے ان کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

اب یہ نہ کہہ دینا کہ اس واقعہ سے تمہاری بھوک اڑ گئی۔ میں نے تو آج اتنے

شوق سے نرگسی کوفتے بنائے ہیں ۔پھوپھی نے کہا۔

اس کے برعکس بھوک تو آج زوروں کی لگی ہے آنٹی! پورا اونٹ کھا سکتا ہوں اس وقت! عمار نے لاڈ سے کہا۔

خیر بھئی پورا اونٹ پکانے کا تو ہمارے ہاں کوئی انتظام نہیں۔تمہیں تو بس دو چار کوفتوں پر ہی اکتفا کرنا پڑے گا۔آنٹی نے کہا اور باورچی خانے میں چلی گئیں۔

ہنسی خوشی کھانا کھایا گیا۔عامر ہاتھ دھو کر تولیہ سے صاف کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔وہ تیز چلتا فون کی میز کی طرف بڑھ گیا۔دو منٹ کے بعد واپس آیا تو چہرے پر تفکر کے آثار تھے۔اس نے عمار کو بتایا کہ انسپکٹر حامد کا فون تھا اس نے بتایا کہ بڑی شاہراہ پر ایک شخص اپنی کار میں بے ہوش پایا گیا اس کے سر پر حادثہ سے نہیں بلکہ کسی کے مارنے سے چوٹ آئی تھی اسے ہسپتال لایا گیا۔ڈاکٹروں کی تشخیص ہے کہ پہلے اسے بے ہوش کیا گیا پھر اس کے سر پر ضرب لگائی گئی۔جب اسے ذرا ہوش آتا ہے تو وہ بار بار تم دونوں بھائیوں کا نام لیتا ہے۔وہ کون ہو سکتا ہے۔؟ عامر نے بھائی سے پوچھا۔

خدا جانے! میں خود حیران ہوں! کون ہو سکتا ہے وہ؟ عمار نے بذات خود سوال کر دیا۔اور پھر خود ہی بولا۔بہر حال ہسپتال چل کر معلوم کر لیتے ہیں اور دونوں بھائی تیار ہو کر ہسپتال پہنچے۔انسپکٹر حامد ان کا منتظر تھا۔اس نے بتایا کہ مریض ہوش میں آ چکا ہے اور ان کا انتظار کر رہا ہے۔کمرے تک جاتے جاتے اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کا نام عظیم جعفری ہے اور وہ عشرت جیولری کمپنی کی طرف سے کوئی قیمتی پتھر لے کر تمہارے پاس جا رہا تھا۔

اہو! یک دم دونوں بھائیوں کے منہ سے نکلا اور وہ آنکھیں پھاڑ کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ جب وہ عشرت جیولری کمپنی کے ایجنٹ عظیم جعفری کے بستر کے قریب پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ شکر ہے آپ آ گئے۔

کیا ہوا آپ کو؟ عامر نے پوچھا۔

میں آپ کا مطلوبہ زمرد لے کر کمپنی کے منیجر کے حکم پر آپ کے ہاں آ رہا تھا۔ راستے میں ایک سفید کار نہ جانے کہاں سے میرے پیچھے لگ گئی۔ اس میں ایک آدمی پولیس کی یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔ اس نے مجھے گاڑی کو کچے کی طرف ہٹانے کا اشارہ کیا۔

اور آپ نے تعمیل کی؟ عامر نے اس کے توقف کرنے پر بے صبر ہو کر پوچھا۔

میرے لیے اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اول تو میں اسے کوئی پولیس افسر سمجھا اور پھر وہ میری گاڑی کے برابر پہنچ کر اسے دباتا ہوا سڑک سے اتار لایا۔ میری نگاہ پڑی تو اس کی کار پر نمبر پلیٹ نہ تھی۔ مجھے ایک دم خیال آیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے زمرد والا پیکٹ اٹھا کر دوسری طرف سے اترنے کی کوشش کی مگر اس نے فائر کرنے کے انداز میں مجھ پر کسی گیس کا سپرے پھینکا اور ساتھ ہی لپک کر میرا راستہ روکتے ہوئے میرے سر پر کوئی ایسی چیز ماری کہ میں چکرا کر وہیں گر گیا۔ ہوش آیا تو یہاں پڑا ہوا تھا...... اور...... اور زمرد غائب تھا۔

عظیم جعفری کا نام سن کر دونوں لڑکے دم بخود ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر فکر و تردد کے آثار دیکھ کر وہ جیسے الٹا انہیں تسلی دینے کے لہجہ میں کہنے

لگا۔

تم نہ فکر نہ بیٹا! یہ نقصان بیمہ کمپنی پورا کر دے گی۔ آپ بھی اس واقعہ سے زیادہ پریشان نہ ہوں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں اور جلد تندرست ہو جائیں گے۔ کہنے کو تو انھوں نے جعفری کو تسلی دے دی مگر اس کے کمرے سے نکل کر وہ اپنی پریشانی کو ایک دوسرے سے چھپا نہ سکے۔

بازشا نے تین دن کی مہلت دی تھی جس میں سے ایک دن گزر چکا اور زمرد اس طریقے سے کوئی بدمعاش ہتھیا کر لے گیا۔ عامر نے کہا۔

اب باقی دو روز میں کہاں سے اتنا قیمتی زمرد مہیا کیا جا سکتا ہے! عمار نے بھی اسی فکرمند لہجہ میں کہا۔

مجھے تو اس لیے زیادہ فکر ہے کہ صرف بازشا ہی ایک ایسا شخص ہے جو ابو متعلق پوری معلومات مہیا کر سکتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی شرائط پوری نہ ہوتے دیکھ کر اپنے گینگ سے الگ ہونے کے ارادے سے پھر گیا تو ہم کیا کریں گے؟ نیچے کا بڑا ہال پار کرتے ہوئے عامر نے خدشہ ظاہر کیا۔

کیا عشرت جیولری والے ایسا ہی ایک اور زمرد دو دن میں مہیا نہیں کر سکیں گے؟ عامر نے استفسار کیا۔

خبر نہیں! کیا کہا جا سکتا ہے لیکن سب سے پہلے تو ہمیں اس رہزنی کی واردات کی اطلاع ایجنسی چیف عثمانی کو پہنچانی چاہیے۔ شاید وہ کچھ مشورہ دے سکیں۔ عامر نے جواب دیا اور دونوں باب کی طرف روانہ ہو گئے۔

بیرون ملک سے اطلاع

لڑکوں سے زمرد کے لوٹ لیے جانے کا واقعہ سن کر چیف کے چہرے پر فکرو تردد کے گہرے نقوش ظاہر ہوئے۔ کچھ دیر وہ گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر لڑکوں کو مخاطب کر کے بولا۔

یہ ڈاکہ زنی کوئی محض اتفاق واردات نہیں ہے۔ بلکہ مجرم اچھی طرح جانتا تھا کہ کب اور کیسے زمرد بھیجا جا رہا ہے۔ اس کی اطلاع اسے پہلے ہی سے تھی۔

حامد نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا! جعفری کے بیان سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس شخص نے بغیر کچھ کہے سنے براہ راست ہی جیولری کمپنی کے قاصد پر گیس پھینک کر اور سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کیا اور زمرد لے کر چلتا بنا۔

تمھیں کچھ اندازہ ہے کہ اس تمام مرحلے میں کہاں پانی مرتا ہے اور کون ایسا شخص ہو سکتا ہے جس نے پوری پوری اطلاع مجرم تک پہنچائی؟ ایجنسی چیف نے لڑکوں سے پوچھا مگر انھوں نے اس معاملہ میں لاعلمی ظاہر کی اور نادم سے ہو گئے۔

کیا بادشاہ کی شرائط کے مطابق دوسرا زمرد بروقت دستیاب ہو سکے گا؟ عمار نے اپنی خفت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

خدا کرے کہ ہمیں بروقت مطلوبہ زمرد مل جائے۔ لیکن فکر نہ کرو۔ اس کے بعد ایجنسی خود اس معاملہ میں جدوجہد کرے گی۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے چھدرے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے سمیٹتے ہوئے کرسی سے اٹھا اور لڑکوں سے ہاتھ ملا کر رخصت

کیا۔ راستے میں دونوں بھائی کچھ دل گرفتگی کے احساس سے خاموش رہے۔ زمرد کی اس طرح اچانک چوری اور ایجنسی چیف کے اس کی اطلاع پر ردعمل کے پیش نظر وہ بے حد رنجیدہ تھے۔ سارا راستہ خاموشی میں گزرا۔ جیسے ہی ڈرائیو پر گیراج کی طرف گاڑی مڑی۔ اوپر لیبارٹری میں انہیں سرخ بتی جلتی بجھتی نظر آئی۔

وائرلیس کال آرہی ہے! اتنا کہہ کر عامر نے گاڑی وہیں چھوڑی اور دونوں بھائی دوڑتے ہوئے اوپر پہنچے۔ عامر نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ عمار بھی اس کے کندھے پر جھک گیا۔

ہیلو عامر! تمہارے پاس کوئی اور ہے؟ یہ شریف میاں کی آواز تھی۔ عامر نے بتایا کہ صرف عمار اس کے قریب موجود ہے۔

میں نے ہوٹل الخضر سے ابرار درانی کے متعلق تحقیقات کی۔ وہاں کے کلرک کو درانی اچھی طرح یاد تھا۔ اس نے بتایا کہ درانی کئی دن ان کے ہوٹل میں مقیم رہا۔ نہایت شریف اور خلیق آدمی تھا۔ کبھی کسی کو اس سے شکایت نہیں ہوئی۔

روانگی کے دن وہ کاؤنٹر پر آیا اور اپنا حساب چکانے کے لیے بل طلب کیا۔ اکاؤنٹ کلرک ابھی بل بنا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور کسی نے کہا کہ لابی میں شہاب زیدی ابرار درانی سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ لابی میں ان کے منتظر ہیں۔

ابرار درانی کو یہ پیغام دے دیا گیا۔ وہ سنتے ہی پلٹا اور واپس آکر بل ادا کرنے کو کہتا ہوا لابی کی طرف چل دیا۔ لابی میں آدھے حصے پر مہمانوں اور ملاقاتیوں کے بیٹھنے کے واسطے صوفے بچھے تھے اور درمیان میں پام کے اونچے اونچے پودوں کے گملے رکھ کر اوٹ جیسی بنی ہوئی تھی تا کہ کوئی آنے جانے والے کی نگاہوں سے

اوجھل بیٹھنا چاہے تو اس کے تخلیے میں خلل نہ آئے۔

کلرک کا کہنا ہے کہ کچھ دیر کے بعد جب ابرار درانی واپس آیا تو نشے کے زیر اثر لڑکھڑا رہا تھا۔ نشے کی نسبت وہ نیند میں بے خود معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہو گیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ وہ اسی نیم خوابی میں رقم ادا کر کے اور اپنا مختصر سامان اٹھا کر ٹیکسی میں چلا گیا جو باہر اس کی منتظر تھی۔ شریف میاں نے بیان کیا۔

کیا ابرار درانی کو واقعی ابو نے بلایا تھا؟ عامر نے پوچھا۔

یقیناً! انہیں شہاب کا نام اسے بلانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ لابی میں جو تخلیہ کی نشست گاہ ہے وہاں ضرور کوئی دشمن چھپا بیٹھا تھا۔ جس نے چپکے سے کسی خواب آور چیز کا انجکشن دے دیا ہوگا۔ شریف میاں نے قیاس ظاہر کیا۔

ضرور ایسا ہی ہوا ہے! عامر نے جواب دیا اور پھر اس وقت تک کے اپنے حالات بیان کرنے کے بعد پوچھا۔

میاں صاحب! ابو کے متعلق کچھ پتہ چلا؟ مگر میاں صاحب کا جواب نفی میں تھا۔

مگر میں شہاب کے منظر پر وارد ہونے تک یہیں موجود رہوں گا۔

یہ ہمارے لیے تسلی کا موجب ہے۔ عامر نے جواب دیا اور وائرلیس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ عمار بھی بھائی کے کندھے سے لگا ساری گفتگو سن رہا تھا۔ پر جوش لہجہ میں کہا۔

اس اطلاع سے درانی والے معمہ کا ایک مزید ٹکڑا دریافت ہوا۔ یعنی اسے یہ خواب آور دوائی، جس کے وہ اب تک زیر اثر ہے۔ براہ راست شارجہ سے انجکشن

کے ذریعے دی گئی۔ اس کے پیچھے ایک سے زیادہ آدمی ہیں۔ یہاں پہنچنے پر ان میں سے دوسرے آدمی نے اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے دورافتادہ مقام پر الماری میں بند کر کے مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور قیمتی چیز جس کے متعلق اس نے اپنی بہن کو ٹیلی فون پر اطلاع دی تھی اس سے ہتھیالی۔

اور...... اور وہ قیمتی چیز؟ قیاس دوڑاؤ کیا ہو سکتی ہے؟ عامر نے یکا یک کسی خیال سے متاثر ہو کر پوچھا۔

کیا......؟ عمار نے حیران ہو کر خود سوال کر دیا۔

زمرد! عامر کی آنکھیں اس نئی دریافت پر چمک اٹھی تھیں۔

یقیناً! عمار نے بھی اسی جوش سے تائید کی۔

ایک بات اور اس لیے تباہ کار گینگ کے مقامی رکن بازشا نے دس لاکھ ڈالر کے زمرد کا مطالبہ کیا۔ یقیناً اس کے علم میں یہ بات آ چکی ہو گی کہ اتنی مالیت کا زمرد یہاں کی مارکیٹ میں آ چکا ہے۔ عامر نے مزید قیاس دوڑایا جس کی عمار نے خوش ہو کر تائید کی۔

تمہیں کچھ یاد ہے عمار؟ جب ہم نے عشرت جیولری کمپنی کے منیجر سے رابطہ کیا تھا تو اس نے کیا بتایا تھا کہ انہوں نے یہ زمرد کہاں سے خریدا ہے؟

عامر نے پوچھا تو عمار نے چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد بتایا۔ عارف بھائی کی فرم سے۔

عامر نے فوراً اٹھ کر عارف بھائی کو فون کیا۔ یہ فرم سونے اور قیمتی جواہرات کی ہول سیل کا کام کرتی تھی۔ اور ملک بھر میں متمول ترین تاجروں کی فرم تھی۔ عامر

نے فرم کے مالک سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی سیکرٹری نے چند لمحے کے بعد لائن ملائی اور عامر نے ملاقات کی نوعیت بتاتے ہوئے ملنے کے لیے وقت مانگا۔

قوم و ملک کے لیے جان بھی حاضر ہے۔آپ اسی سلسلہ میں بات کرنا چاہتے ہیں تو ابھی چلے آیئے۔اور دونوں لڑکے ماں اور آنٹی منصورہ کو اپنے باہر جانے کی اطلاع کرتے ہوئے گاڑی لے کر روانہ ہو گئے۔آدھ گھنٹے کے بعد وہ عارف بھائی کے دفتر میں تھے۔عارف بھائی ایک بھاری بھرکم جسامت کا مالک تھا۔اس نے بڑے تحمل سے لڑکوں کی ساری بات سنی اور بولا۔

بے شک جس زمرد کی آپ نے بات کی وہ ہماری فرم سے ہی عشرت جیولری والوں نے خریدا تھا۔عارف بھائی نے تصدیق کی۔

آپ کو ناگوار تو نہ ہوگا اگر ہم یہ پوچھنے کی جرأت کریں کہ آپ نے وہ زمرد کہاں سے حاصل کیا۔عامر نے پوچھا۔

ہرگز نہیں! ناگوار ہونے کی کیا بات ہے۔آپ تحقیقات کے سلسلہ میں یہ سوال تو کریں گے ہی ہمارے کئی فرموں اور کمپنیوں سے کاروباری تعلقات ہیں۔ان میں شہباز جیولرز بھی ہیں۔ یہ زمرد ہم نے انہیں سے خریدا اور پھر اچھے منافع پر عشرت جیولری کمپنی کے ہاں فروخت کر دیا۔عارف بھائی نے کہا۔

آپ کو تاریخ یاد ہے کب آپ نے مذکورہ زمرد خریدا؟

ٹھہریئے! میں دیکھتا ہوں۔

اس نے ایک میز کے دراز کو کھولتے ہوئے کہا اور کاغذوں کی پڑتال کرتے

ہوئے پن کیے ہوئے چند صفحے عامر کی طرف بڑھا دیئے۔

آپ نے اسے عشرت جیولری کمپنی کے ہاں کب فروخت کیا؟ عمار نے پوچھا۔

کوئی دس دن پہلے۔وہ کاغذ بھی اسی فائل میں ہے۔

عامر نے کاغذات واپس کرتے ہوئے عمار کی طرف پر معنی نگاہوں سے دیکھا۔دونوں بھائیوں کے چہرے پر مایوسی کی جھلک دیکھ کر عارف بھائی نے پوچھا۔کیابات ہے؟

کچھ نہیں صاحب !بس کوائف ہمارے قیاسات کے مطابق ثابت نہیں ہو سکے۔عامر نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہم نے خواہ مخواہ آپ کا وقت بھی برباد کیا۔عمار نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

ہرگز نہیں...... بلکہ مجھے افسوس ہے کہ آپ کے کام میں کچھ بھی مدد نہ دے سکا۔ مجھے دلی خوشی ہوتی اگر میں آپ کے کام آسکتا۔اس نے دونوں بھائیوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

وہ واپس گھر آئے تو شام کے چھ بج چکے تھے۔کھانا تیار تھا وہ دونوں ہاتھ دھو رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔عامر تولیے سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔آنٹی منصورہ اس سے پہلے ہی ریسیور اٹھا چکی تھیں۔اسے دیتے ہوئے بولیں۔

کوئی خاتون بات کر رہی ہے۔مگر لمبی کہانی سننے نہ بیٹھ جانا۔سب کچھ ٹھنڈا ہو

کر مٹی ہو جائے گا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے چلی گئیں۔

میں شہباز جیولرز کے مالک شہباز خاں کی سیکرٹری ہوں۔ میں بے حد پریشان ہوں۔ اور اپنی اس پریشانی میں مجھے یہی مداوا نظر آیا کہ آپ سے مدد مانگوں۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

ہمیں خوشی ہوگی اگر ہم آپ کے کسی کام آسکیں۔ بہرحال معاملہ کیا ہے؟ عامر نے پوچھا۔

بات یہ ہے کہ میں شہباز صاحب کی تلاش میں ہوں۔ جہاں جہاں ان کی موجودگی کا امکان تھا میں نے فون کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کہیں نہیں ملے...... کیا آپ یا آپ کے بھائی صاحب کچھ بتا سکتے ہیں کہ شہباز صاحب کہاں گئے؟ وہ پوچھنے لگی۔

شہباز خاں کی سیکرٹری سے صرف ایک منٹ کے لے زیدی بھائیوں کی گفتگو ہوئی تھی مگر عامر کو اس کی آواز کی شناخت تھی۔ یہ آواز مختلف محسوس ہوئی اور عامر کے ذہن میں کچھ شبہ سا پیدا ہو گیا۔ بہرکیف اس نے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری سمجھا اور بولا محترمہ! میں تو نہیں جانتا کہ خاں صاحب کہاں ہوں گے ممکن ہے میرے بھائی کو کچھ پتہ ہو۔ وہ اس وقت گھر میں نہیں۔ اس کے واپس آنے پر ٹیلی فون کر کے میں آپ کو بتا دوں گا۔ کیا آپ ابھی کچھ دیر اور دفتر میں ٹھہریں گی؟ عامر نے کہا تو وہ کچھ گھبرا کر بولی۔ نن...... نہیں، مم...... میں دفتر سے نہیں، کہیں اور سے فون کر رہی ہوں۔ دراصل ایک بہت ضروری کام ہے جس کے لیے میں خاں صاحب کو جلد از جلد ملنا چاہتی ہوں۔ بہرکیف میں دوبارہ خود فون کرلوں گی۔ اور اس نے

فون بند کر دیا۔

عامر نے عمار سے کھانے کے دوران فون اور اپنے جواب اور شبہ کے متعلق بات کی تو عمار نے کہا اس کے منع کرنے کے باوجود فون کر لیا جائے۔

ابھی دفتر بند تو نہیں ہوا ہوگا۔ عامر نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ اور فون کرنے کے لیے اٹھا۔ جواب میں کسی عورت کی آواز آئی۔

خان صاحب تو نہیں ہیں۔ سب جا چکے ہیں میں دفتر میں کام کے سلسلہ میں اب تک ٹھہری ہوئی تھی۔ لیکن اب جا رہی تھی...... آپ فرمایئے کیا کام ہے؟ عامر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور ہنس کر کہا۔

دیکھا نا، میں کہتا تھا وہ جعلی سیکرٹری تھی۔ مگر اس سب بکواس کا مطلب کیا تھا آخر؟ دونوں بھائی وہیں فون کے قریب کھڑے صورت حال پر قیاس آرائی کر رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی جو عمار نے اٹھایا۔

کیا تمہیں بازشا نامی ایک شخص اور مسروقہ زمرد سے دلچسپی ہے؟ کوئی بدلی ہوئی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ عمار نے بھائی کی طرف پر معنی نگاہ ڈالی اور لمحہ بھر سوچ کر بولا۔

کون پوچھ رہا ہے؟

میرے نام سے تمہیں کوئی غرض نہیں؟ سوال کا جواب دو۔ اس نے ڈانٹ کر کہا۔ اس کی آواز ایسی تھی جیسے کپڑے کی تہ ماؤتھ پیس پر رکھ کر بول رہا ہوتا کہ آواز پہچانی نہ جا سکے۔

دلچسپی تو ظاہر ہے کہ ہمیں لازماً ہوگی لیکن اس کا انحصار ان معلومات پر ہے جو

آپ ہمیں فراہم کرنا چاہیں گے۔عمار کے محتاط جواب پر وہ شخص گویا چڑ کر بولا۔

خبردار! میری کال کا سراغ لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ......

میں نے تو ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔صرف اپنے بھائی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔اگر آپ چند لمحے انتظار کریں تو......

کرلو بات! میں کل پھر فون کرلوں گا...........

اس نے فون بند کردیا اور عمار ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

ایک خطرناکھیل

کون تھا؟ عامر نے پریشان ہوکر پوچھا۔

خبرنہیں! اس نے نام بھی نہیں بتایا۔ آواز چھپانے کے لیے فلٹر سے بول رہا تھا۔ پوچھ رہا تھا کیا ہمیں بازشا نامی شخص سے اور چوری ہونے والے زمرد سے اب بھی دلچسپی ہے؟

کافی دیر تبادلۂ خیال کے بعد بھی وہ کسی خاطر خواہ نتیجہ پر نہ پہنچے تو مجبوراً اس پراسرار آدمی کے کل آنے والے فون کا انتظار کرنے لگے۔

اگلی صبح دونوں بہت سویرے اٹھ کر تیار ہو گئے۔ اور بڑی بے تابی سے فون کا انتظار کرنے لگے۔ جیسے ہی فون کی گھنٹی بجی عامر نے لپک کر ریسیور اٹھایا اور بولا۔

''ہیلو''

لائن کے اس طرف سے کسی نے شبہ کے لہجہ میں کہا۔ تم وہ تو نہیں ہو جس سے میں نے کل بات کی تھی؟ بولنے والا بدستور فلٹر میں سے بول رہا تھا۔

کل شام میرے بھائی نے آپ سے بات کی تھی۔ میں عامر زیدی آپ سے مخاطب ہوں۔ عامر نے مہذب لہجہ میں بات کی۔

خیر میں تمہارے کہنے کو درست مان لیتا ہوں۔ کیا تمہیں ان معلومات سے دلچسپی ہے جن کا میں نے تمہارے بھائی سے کل شام ذکر کیا؟

صاحب! یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ہمیں واقعی ان ہر دو سے انتہائی دلچسپی ہے۔ آپ فرمایئے تو......؟ عامر نے پرزور لہجہ میں کہا۔

ظاہر ہے کہ میں فون پر تو ایسے نازک معاملہ پر گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس مقصد کے لیے ہمیں کہیں ملاقات کرنا پڑے گی۔ کسی ایسی جگہ جہاں کوئی ہماری باتیں نہ سن سکے۔ اس نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

آپ خود وقت اور مقام کا تعین کر دیجیے۔ عامر نے کہا۔ تم کس وقت تک سپر مارکیٹ تک پہنچ سکتے ہو؟ اس نے پوچھا۔

آپ ہمیں ڈیڑھ گھنٹے کی مہلت دیجیے۔ ہم دونوں بھائی اس وقت تک سپر مارکیٹ میں موجود ہوں گے۔ عامر نے کہا۔

ٹھیک ہے! تم سنٹرل پارک کے نشیبی حصے میں آخر بنچ کے نیچے ایک پرزہ کاغذ چسپاں کیا ہوا پاؤ گے اس پر لکھا ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اس نے بتایا۔

اگر آپ کو فون پر بات کرنے میں اس قدر احتیاط ہے کہ کوئی سن نہ لے تو کیا اس کا خدشہ نہیں کہ کوئی ہم سے پہلے وہاں پہنچ کر کاغذ اتار نہ لے۔ عامر نے کہا۔

میں بذات خود قریب رہ کر نگاہ رکھوں گا کہ ایسا نہ ہو سکے۔ اس نے کہا اور فوراً فون بند کر دیا۔

عامر نے یہ ساری گفتگو بھائی کو بتائی تو ان کی امی اور آنٹی بھی پاس ہی تھیں۔ دونوں خواتین فکرمند ہو گئیں۔

اور اگر یہ شخص تباہ کار گینگ کا رکن ہوا اور تمہیں جال میں پھانسنا چاہتا ہو تو پھر؟ اس کی امی نے خدشہ ظاہر کیا۔

بالکل! تمہاری امی ٹھیک کہتی ہیں! آنٹی منصورہ بھی آنکھیں پھاڑ کر بولیں۔ عامر ہنسنے لگا۔

واہ! کھلے پارک میں وہ ہمیں کیسے پکڑ لے جائے گا؟ وہ بولا۔

بھئی ہوسکتا ہے اس پرچی میں اس نے کسی اور جگہ آنے کو لکھا ہو! امی نے کہا۔

ہاں یہ تو...... کسی حد تک ٹھیک ہے۔ عمار نے تائید کی۔

اس صورت میں ہمیں اپنے چند دوستوں کو ساتھ لے جانا چاہیے۔ وہ الگ گاڑی میں ہمارے ساتھ ساتھ رہیں اور نگرانی رکھیں گے۔ عامر نے کہا تو اس کی پھوپھی کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگیں۔

اندرون شہر کی ٹریفک کا حال تم جانتے ہو۔ اگر تمہارے دوستوں کی گاڑی ٹریفک میں پھنس کر دور رہ گئی اور تم ان کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو؟

ہاں! یہ بھی ممکن ہے! عامر نے مان لیا۔ میں بتاتی ہوں۔ تمہارے پاس چھوٹے وائرلیس سیٹ تو ہوں گے؟ اور تمہارے دوست عرفان کی گاڑی میں وائرلیس ٹرانسمیٹر لگا ہوا ہے۔ تم اپنی جیب میں وائرلیس ریڈیو "آن" کر کے رکھنا تا کہ ساری گفتگو تمہارے دوست بھی سن سکیں۔

اس تجویز پر دونوں دوست اچھل پڑے۔ ارے واہ! پھوپھو نے تو کمال کی تجویز بتائی!

اتنے بڑے سراغ رساں کی بہن ہوں۔ کوئی مذاق تو نہیں ہوں۔ پھوپھو اترا کر بولیں۔

اور اتنے چھوٹے چھوٹے سراغ رسانوں کی پھوپھی! عمار نے پھوپھو سے لپٹتے ہوئے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

لیکن عرفان نے اپنی گاڑی میں وائرلیس ٹرانسمیٹر لگوا رکھا ہے کیا؟ عامر کی امی

نے کچھ حیرت سے پوچھنے لگیں۔

اس کے والس کی خاصی بڑی کنسٹرکشن فرم ہے کاروبار کے سلسلہ میں باپ بیٹے کو ایک دوسرے سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے۔ عامر نے بتایا۔

پھر ٹیلی فون کر کے عرفان کو ساری بات بتائی۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ بابر، ناصر اور انور کو ان کے گھروں سے لے کر آدھے گھنٹے کے اندر پہنچتا ہے۔ اور عرفان کے آتے ہی عامر اور عمار اپنی سپورٹس کار میں آگے آگے ڈرائیو کر رہے تھے۔ ان کے دوست عرفان کی وین میں تھوڑے فاصلے پر تعاقب کر رہے تھے۔ بیس منٹ میں وہ سنٹرل پارک تک پہنچ گئے۔ دونوں بھائیوں نے اپنی گاڑی پارک کے قریب روک دی۔ ان کے دوست سپر مارکیٹ کے قریب گئے۔ اتفاق سے وہ بنچ جس کی پراسرار شخص نے نشاندہی کی تھی خالی پڑا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے اس پر جا بیٹھے۔ پھر عامر نے ذرا جھک کر اس کے نیچے ہاتھ مارا تو ایک پرزہ چیونگم کے ساتھ چپکا ہوا ملا جس پر صرف ایک سطر تحریر تھی۔

سٹریٹ ۵۴ کی پانچویں بلڈنگ کے جنوب مشرقی کونے پر ٹیلی فون بوتھ!

وہاں کیا ہوگا؟ عمار نے سطر پڑھ کر کہا۔

جا کر معلوم ہو جائے گا۔ چلو! مگر وین کی طرف کوئی اشارہ نہ کرنا، وہ ہماری بات سن رہے ہیں! عامر نے کہا تو اس کی جیب میں سے سرگوشی ابھری۔ ہم نے سن لیا ہے۔ بے فکر ہو جاؤ۔

کیا وہ ہمیں اس وقت دیکھ رہا ہوگا؟ عمار نے دبی زبان میں پوچھا۔

شرطیہ! عامر نے جواب دیا اور دونوں اٹھ کر مذکورہ بالا پتہ پر چل دیئے۔ راستہ

میں انھوں نے اپنے دوستوں کو ریڈیو کے ذریعے ہی اپنی منزل کا راستہ بتا دیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے چند ہی منٹوں میں ٹیلی فون بوتھ کے پاس جا کھڑے ہوئے تو عمار نے راستہ سے ایک طرف ہٹتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ لو پہنچ گئے ہم! اب کیا کریں؟ عامر نے اسے صبر کرنے کا اشارہ کیا اور اتنے ہی میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ۔عامر نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ ہیلو! عامر زیدی۔ اس نے کہا۔

ٹیلی فون کے نیچے دیکھو۔ اسی آواز نے بدستور فلٹر میں سے کہا۔

ٹیلی فون کے نیچے دبا ہوا ایک چھوٹا سا نقشہ ملا جو اسی علاقے کے کسی بڑے نقشے میں سے کاٹا گیا تھا۔ اس کے اوپر مربع شکل میں انگریزی کے حروف تہجی اس طرح لکھے تھے:

اس وقت تم A پوائنٹ پر کھڑے ہو۔ اب تم نقشے کے مطابق E پوائنٹ پر پہنچو! اسی پراسرار آواز نے کہا اور فون بند کر دیا۔

کیا خیال ہے؟ اس شخص کا مقصد کیا ہے؟ عمار نے بھائی کے ساتھ نئی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

اب وہ ایونیو ۵ سے کئی بلاک آگے جنوب مشرق کی طرف جا رہے تھے۔

ہمیں چکر میں ڈال کر وہ اپنی تسلی کرنا چاہتا ہے کہ ہم اکیلے ہی ہیں۔ کہیں پولیس کو تو ساتھ نہیں لگا لائے۔ عامر نے کہا۔

اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ ہماری مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے اور وہ بھی یہ کام اکیلا نہیں کر سکتا۔ عمار نے متجسس ہو کر کہا۔

تمہارا خیال عین قرین قیاس ہے۔ اور ممکن ہے آخر کار یہ ہمیں پھانسنے کا حربہ

ثابت ہو جیسے امی اور آنٹی نے خدشہ ظاہر کیا۔ عامر نے دبی زبان سے بھائی کے خیال کی تائید کی۔

مقررہ پوائنٹ E پر پہنچ کر پھر انہیں ٹیلی فون پر فہمائش کی گئی کہ پوائنٹ I پر پہنچیں۔ یہ بھی جنوب مشرقی سمت ہی میں تھی۔ یہ اب مذکورہ سمت کی طرف چلے ہی تھے کہ عرفان کی آواز آئی۔

مطمئن رہو، ہم دو بلاک پیچھے تمہارے ساتھ ساتھ ہیں۔

پوائنٹ I پر پہنچے تو انہیں پوائنٹ G پر جانے کی ہدایت ہوئی جو سیدھا مغربی سمت میں تھا اور ۵ ایونیو سے دوبارہ گزر کر جانا پڑتا تھا۔ اس جگہ سے پھر فون پر انہیں پوائنٹ C پر جانے کی ہدایت ملی۔ اور ایک دفعہ پھر وہ ۵۳ سٹریٹ سے گزر کر نئی منزل پر پہنچے جو خاصی دور فاصلے پر شمال مغربی جانب واقع تھی اور اس مقام پر انہیں ٹیلی فون ملا کہ ۵۳ سٹریٹ کی طرف پوائنٹ B پر پہنچیں۔ اس پر تو عمار کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

یہ کس چکر میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ مسخرا۔ چلتے چلتے میری تو ٹانگیں شل ہو گئی ہیں۔ ٹھوکریں لگ لگ کر پیروں کی انگلیاں الگ زخمی ہو رہی ہیں۔ خدا غارت کرے اسے! وہ روہانسا ہو کر کہہ رہا تھا۔ عامر نے پیار سے اسے تھپکی دی اور مسکرا کر کہا۔

''تیز	ترک	گام	زن
منزل	ما	دور	نیست''

اور اس کا بازو پکڑ کر مارچ کرنے کے انداز میں تیز چلنے لگا۔ ابھی پوائنٹ B

فاصلے پر ہی تھا کہ عامر کو کچھ خیال آیا اور وہ خوش ہو کر بولا میرا خیال ہے کہ پوائنٹ B کے فون پر وہ ہمیں پوائنٹ F پر جانے کو کہے گا اور اس مقام پر وہ ہمیں ضرور مل جائے گا۔ عمار وہیں کھڑا ہو گیا۔

یہ خیال تمہیں کس بنا پر ہوا؟ اس نے پوچھا۔

چلتے رہو! وہ ہمیں ضرور کہیں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ خیال میرے ذہن میں اس طرح آیا کہ نو حرفوں کے اس مربع میں اس نے ہمیں ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے چوتھے پوائنٹ پر اس انداز سے گھمایا ہے کہ F پر پہنچیں تو ہمارے تین X پورے بن جاتے ہیں۔ اس سے وہ ہمیں ایک خاص بات سمجھانا چاہتا ہے۔ یاد ہے تمہیں ابو کے کارڈ پر بھی تین ایکس کا خاکہ بنا ہوا تھا۔ پھر ایک بار بازشا نے مارکیٹ میں ایک مکان کے دروازے پر یہی نشان بنایا تھا۔ اصل میں یہ ایک کھیل ہے جس میں جو کھلاڑی تین ایکس بنا لیتا ہے۔ تو بازی جیت جاتا ہے۔

خوب! عمار نے بے حد خوش ہوتے ہوئے داد دی۔ حتیٰ کہ وہ اس دلچسپی کی وجہ سے اپنی تھکان اور ٹھوکروں کے زخم بھی بھول گیا۔

وہ پوائنٹ B پر پہنچ کر منتظر نگاہوں سے ٹیلی فون کی گھنٹی کا انتظار کرنے لگے۔ معاً گھنٹی بج اٹھی۔ عامر نے مسکراتے ہوئے ریسیور اٹھایا اور خود ہی ہنس کر پوچھنے لگا۔

اب کہاں ......؟

اس نے ریسیور کان سے ہٹا کر رکھا تا کہ عمار بھی آواز سن سکے اور اسی آواز نے جب جواب دیا کہ اب پوائنٹ F پر پہنچ جاؤ تو دونوں بھائی بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس

پڑے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آخری منزل کی طرف بڑھے۔ چند ہی منٹوں میں وہ پوائنٹ ایف پر کھڑے دائیں بائیں دیکھ رہے تھے کہ کوئی ان کی طرف آتا ہوا نظر آئے گا۔ یا پھر مزید ٹیلی فون کال آئے گی۔

چند لمحوں کے انتظار کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ میرون رنگ کی لمبی کار کچھ فاصلے پر رکی اور ایک شوفر یونیفارم پہنے ہوئے اترا۔ پچھلی نشست پر ایک بہت ضعیف خاتون نہایت فاخرہ لباس پہنے بیٹھی تھی۔ اس نے اشارے سے لڑکوں کو قریب بلایا اور بے حد کمزور اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

اگر تمہیں وہ معلومات چاہئیں...... تو گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔

اتنا کہہ کر اس نے کونے میں کھسک کر جگہ بنائی اور ڈرائیور نے دروازہ کھول دیا۔ عمار نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بھائی کی طرف سوالیہ نگاہ ڈالی۔ عامر نے کسمسا کر کچھ کہنا چاہا مگر پھر کسی خیال سے چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گیا اور عمار کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

میرا خیال ہے تم لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہو؟ بوڑھی خاتون نے اسی لرزتی ہوئی نحیف آواز میں پوچھا۔

اس کے سوا ہمارے لیے دوسرا چارۂ کار نہیں محترمہ! عامر بولا اور اگلے ہی لمحے بوڑھی عورت کی کانپتی ہوئی آواز یک دم کرخت اور بھاری مردانہ آواز میں بدل گئی۔ لڑکے دم بخود ہو کر دیکھنے لگے۔

اچھا......؟ اور یہیں تم سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ اس نے کہا۔

واقعی لڑکوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جسے وہ عورت سمجھے وہ تو بوڑھی عورت کے بھیس میں مرد تھا۔ اس نے پرس کھول کر اس میں سے کوئی پنسل نما چیز نکالی اور ان کی طرف رخ کر کے کہا۔

اس میں اعصاب شکن گیس خارج ہوتی ہے جس کے اثرات نہایت ناگوار ہوتے ہیں۔ میری مانو تو خیریت اسی میں ہے کہ جو کہا جائے وہی کرو۔ اس آدمی نے کہا جو زنانہ لباس میں ان کے پہلو میں بیٹھا تھا۔

اپنی اس قدر احتیاط اور ہوشیاری کے باوجود وہ تباہ کار گینگ کے دھوکے میں آ گئے تھے۔ محض ایک ضعیف اور کمزور عورت پر اعتماد کرنے کے نتیجہ میں انہیں یہ ناکامی دیکھنا پڑی تھی اور وہ اس وقت خوف یا دہشت کی بجائے بے حد غصہ میں تھے۔

حفاظتی گاڑی

ان کے حریف نے ان کی شعلے برساتی ہوئی آنکھوں سے اندازہ لگایا کہ دونوں لڑکے فرطِ غضب سے کچھ کرگزرنے کی سوچ رہے ہیں۔

دیکھو! چپکے بیٹھے رہو ورنہ میں تمہیں اس گیس کا ایک چھینٹا دے دوں گا اور تمہیں یوں محسوس ہو گا کہ جیسے تمہاری رگوں میں آتشی چیونٹیاں دوڑ رہی ہیں۔ میری نصیحت مانو اور جوش میں نہ آؤ۔

اس آدمی نے کہا تو عمار نے اس کی طرف حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تم ہمیں خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنی خیر مناؤ۔ مجھے تمہاری باتوں پر ہنسی آ رہی ہے۔وہ بولا۔مگر تم ہنسنے کی مہلت نہ پاؤ گے! سن لیا تم نے۔تم خود خطرے میں ہو۔عامر نے کہا۔

کیسا خطرہ......؟ اس نے چونک کر پوچھا۔

ہمارے دوستوں کا ایک پورا گروہ ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔ہمیں خطرے میں پا کر وہ فوراً پولیس کو خبر کر دیں گے کیونکہ ان کی وین میں وائرلیس ٹرانسمیٹر موجود ہے اور پولیس دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کرے گی۔

دیکھو، زیادہ بڑ نہ ہانکو اور چپکے بیٹھے رہو ورنہ......

وہ اپنی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ شوفر نے کہا۔میرا خیال ہے یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ایک وین شروع ہی سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی ہے۔وہ شیشے میں سے وین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

شوفر کہنے پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہا تو عامر نے جھپٹ کر اس کی کلائی پکڑ لی اور ہاتھ مروڑ کر پنسل نما آلہ چھین لینا چاہا مگر وہ بھی خاصا طاقت ور تھا۔ خوب زور آزمائی ہونے لگی۔ عمار، عامر کے بائیں طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پیچھے سے ہو کر اس شخص کی دوسری کلائی پکڑ لی۔ اب تینوں پچھلی سیٹ پر گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ دونوں کے مقابلہ میں حریف بے بس ہو کر چلایا۔

ارے احمق! میری مدد کر! اس نے شوفر سے کہا۔

شوفر نے نیم رخ پیچھے پھر کر عمار کے سر پر ایک گھونسا رسید کیا۔ مگر اس کی ضرب اوچھی سی لگی کیونکہ وہ اس وقت گھنے ٹریفک میں جا رہے تھے۔ بدمعاش پھر چیخا:

ارے کچھ کرو!

کیا کروں! ادھر سے گاڑی کو کسی سے ٹکرا دوں؟ دیکھتے نہیں کتنا ٹریفک ہے! شوفر نے نتھنے پھلا کر غصہ سے کہا۔ ادھر عامر اس سے گیس کا پنسل نما آلہ چھیننے میں کامیاب ہو گیا۔ اتنے میں ٹریفک سگنل میں سرخ بتی روشن ہوئی اور گاڑی کی رفتار اگرچہ تھمی نہیں مگر آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔

بھاگ چلو عمار! عامر نے بھائی کو دروازے کی طرف دھکیلا۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ عامر نے بھی باہر نکلنے کی کوشش کی تو بدمعاش نے لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ عامر نے کھلے دروازے کا سہارا لے کر ایک ضرب اس کے منہ پر رسید کی اور اس نے بے بس ہو کر ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ دونوں لڑکے گاڑیوں کی قطاروں میں سے گزرتے راہگیروں سے ٹکراتے اور معذرت کرتے فٹ پاتھ پر پہنچ گئے اور نقلی بوڑھی عورت مایوسی اور غصہ کی قہرناک نظروں

سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی۔

وہ رہی عرفان کی گاڑی؟ عمار نے کاروں کے دریا پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا اور ہاتھ ہلانا شروع کیا۔لڑکوں نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔

سبز بتی روشن ہونے پر گاڑیاں متحرک ہوئیں مگر عرفان کی وین اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ پیچھے والی گاڑیوں کے ڈرائیور بڑبڑاتے ہوئے آگے نکلنے لگے۔نقلی عورت کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ راستہ صاف ہونے پر عرفان اپنی وین کو فٹ پاتھ کے قریب لے آیا۔اور دونوں لڑکے لپک کر سوار ہو گئے۔ دوستوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خطرناک غنڈوں کے قبضہ سے نکل آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔

شکر کرو کہیں انھوں نے وہ گیس سونگھا کر تمہیں بے ہوش نہیں کر دیا۔اس صورت میں تم بھاگ بھی نہ سکتے! بابر نے خوف زدہ شکل بنا کر کہا تو عمار کو گیس پنسل کا خیال اس نے پوچھا۔

کہاں ہے وہ پنسل؟ عامر نے جیب پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

یہ رہی میری پاکٹ میں!

اسے دیکھ کر تمہیں کچھ یاد آیا عامر؟ عمار نے پوچھا۔

ہاں! بالکل ایسی ہی پنسل اس دن شہباز جیولرز والے سیٹھ کے پاس تھی۔عامر نے جواب دیا اور پھر یک دم جیسے کوئی خیال اس کے ذہن میں آیا۔

ایک عجیب خیال میرے ذہن میں آیا ہے عمار! تعجب ہے! ہمیں پہلے یہ بات کیوں نہ سوجھی؟ وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے عمار کی طرف دیکھ رہا تھا اور عمار سوالیہ انداز سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔کہیں وہ شہباز بھی تو تباہ کار گینگ کا آدمی نہیں؟

اور ہاں باز شا؟ شہباز کو الٹ کر باز شا کے الٹے حروف بنتے ہیں۔

کیا نہیں! عامر نے جوش سے کہا۔

ہاں، ہاں! بنتے تو ہیں! واللہ یہ تمہیں خوب سوجھی! عمار نے نعرہ لگایا۔

تو آؤ شہباز خاں کے پاس چل کر بات کریں۔ ہاں، صبح سے اب تک وقت ضائع ہوا ہے۔ دن بھر میں کوئی کام کی بات بھی ہو جائے۔ عمار بولا۔

اس نے یہ اچھا چکر چلایا ہوا ہے۔ جیولری کی اتنی بڑی فرم کھول رکھی ہے۔ ہیرے جواہرات کا کام کرتا ہے لاکھوں کے قیمتی پتھر بیچتا ہے۔ پھر خود ہی ڈاکہ ڈال کر انہیں واپس لے آتا ہے! عمار نے کہا اور عامر نے عرفان سے شہباز جیولرز کی طرف چلنے کو کہا۔

چند ہی منٹ میں دونوں بھائی وین سے اتر کر اندر چلے گئے۔ شہباز خاں کی سیکرٹری انہیں دیکھ کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

سیٹھ......تو اس وقت یہاں نہیں ہیں۔ وہ کہنے لگی۔

خیریت تو ہے؟ آپ پریشان نظر آتی ہیں؟ عامر نے اس کے زرد چہرے اور حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھوں سے اندازہ لگایا کہ ضرور کوئی خاص وجہ ہے۔ مگر وہ بے قراری سے اپنے رومال کو ہاتھ میں مسلتی رہی مگر وہ گومگو کے عالم میں تھی کہ ان سے بات کرے یا نہ کرے۔ اس کے حلق سے سسکی جیسی آواز نکلی اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔

میں بے حد پریشان ہوں! سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں! وہ روہانسی آواز

میں بولی۔

ہمیں بتایئے کیا بات ہے؟ ممکن ہے ہم کچھ مدد کرسکیں۔ عامر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

چند دنوں سے صورت حال یہ ہے کہ کچھ غنڈہ قسم کے خطرناک آدمی فرم کے دفتر میں چلے آتے ہیں۔ اور آکر پوچھتے ہیں۔ کہ سیٹھ شہباز کہاں ہے۔ کچھ آدمی دھرنا مار کر سیٹھ کی تاک میں بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی دھمکیاں دے کر چلے جاتے ہیں۔

تو آپ کے باس ہیں کہاں؟ عمار نے پوچھا۔

پہلے تو لڑکی کچھ گومگو کے عالم میں رہی اور فیصلہ نہ کرپائی کہ بتائے یا نہ بتائے۔

دیکھئے محترمہ! اگر آپ کے سیٹھ کو جان کا خطرہ ہے تو ہم ان کے لیے حکومت کی طرف سے تحفظ مہیا کریں گے اور انہیں ایسی جگہ چھپا کر رکھیں گے جہاں ان کے مخالفوں کا گزر نہیں ہوسکتا۔ عامر نے کہا۔

اگر...... اگر آپ واقعی ایسا کرسکیں تو اور کیا چاہیے۔ وہ بولی۔

ہم ضرور کریں گے! لیکن آپ بتایئے تو سہی وہ ہیں کہاں؟

عمار نے کہا اور بھائی سے کہا۔ اسی وجہ سے وہ نقلی سیکرٹری شہباز کا پتہ پوچھ رہی تھی۔

آیئے میرے ساتھ! وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لے گئی جہاں ٹیلی فون اور وائرلیس کی تنصیبات تھیں۔ اس نے ایک سوئچ بورڈ پر بٹن دبایا اور ٹرانسپورٹر کسی کوڈ میں بات کی۔ جواب میں شہباز خاں کی آواز سنائی دی۔ کون ہے؟

شہاب زیدی کے بیٹے عامر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔سیکرٹری نے کہا۔

کیوں؟ کس لیے؟ شہباز کی آواز میں خوف کی کھنک تھی۔

عامر نے آگے بڑھ کر سیکرٹری کے ہاتھ سے مائیکروفون لے لیا۔عمار نے کچھ اشارہ کیا اور لڑکی کو ساتھ لے کر بیرونی دفتر میں چلا گیا۔

ہمارا آپ سے ملنا بےحد ضروری ہے۔عامر نے کہا۔

کس سلسلہ میں؟ شہباز کی آواز آئی۔

بازشا کے سلسلہ میں! عامر نے کہا تو لمحہ بھر کے لی سیٹھ جیسے گم سم ہو گیا۔

میرا اس سے کیا تعلق؟ مجھے کیا معلوم بازشا کون ہے یا کیا ہے؟ اس نے پوچھا۔

اگر کوئی تعلق نہیں تو آپ چھپے کیوں بیٹھے ہیں؟ عامر نے سوال کیا۔

کون کہتا ہے میں چھپا ہوا ہوں۔اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

دیکھیے صاحب! آنکھ مچولی کھیلنے یا پہیلیاں بجھوانے کا وقت نہیں رہا۔ہم نے یہ معمہ حل کر لیا ہے کہ آپ ہی یعنی شہباز خاں سیٹھ ہی درحقیقت بازشا ہیں۔تباہ کار گینگ کے آدمی نہ صرف آپ کے پیچھے پھر رہے ہیں بلکہ ہمارے بھی درپے آزار ہیں۔آج انھوں نے ہم دونوں بھائیوں کو اغوا کر لیا تھا۔بڑی مشکل سے بچ کر نکلے ہیں۔اب آپ کے لیے یہ لمحہ فکر یہ ہے اس مرحلہ پر آپ دوٹوک فیصلہ کیجیے اگر تو آپ نے گینگ کو چھوڑنا ہے تو فوراً مجھ سے مل لیجیے تاکہ میں آپ کا باب کے چیف کے پاس لے جاؤں اور اگر آپ کا فیصلہ اس کے خلاف ہے تو آپ جانئے۔ گینگ کے خطرناک غنڈے ہر وقت آپ کی تاک میں ہیں۔عامر نے اپنی لمبی

تقریر ختم کی تو شہباز نے کافی توقف کے بعد جواب دیا۔

مجھے یہ کیسے تسلی ہو کہ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔اس کی آواز میں دردناک سی کھنک تھی۔حامر نے بڑی خود اعتماد سے جواب دیا۔

آپ نے آخر ہم پر اعتماد کیا تو حکومت سے شرائط طے کرنے کی پہل میرے والد کی معرفت کی۔ہم نے آپ کے شرائط حکومت کے ادارہ تک پہنچائیں۔منظور کروائیں۔اب اس آخری مرحلہ پر یہ خود آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آگے بڑھیں یا واپس پھر جائیں۔

اچھا......! چلو ہر چہ باداباد! تمہاری کیا تجویز ہے؟ اس نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

آپ شہر کے اندر ہی ہیں نا؟ حامر نے پوچھا۔

ہاں! اس نے جواب دیا تو حامر نے کہا۔

تو کوئی جگہ بتائیں جہاں سے ہم آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔

سیٹھ نے کچھ دیر توقف کیا۔پھر اس نے شہر کے عین مرکز میں ایک پر رونق مقام کا نام دیا اور حامر نے پہنچنے کا وعدہ کیا۔

عرفان کی وین میں دونوں بھائی سنٹرل پارک میں اس مقام پر پہنچے جہاں انہوں نے اپنی نیلی سپورٹس کار پارک کی تھی۔وہ اپنی کار میں بیٹھ گئے اور دوستوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے شہباز سیٹھ کے بتائے ہوئے پتہ پر روانہ ہوئے۔

اندرون شہر کا یہ حصہ پرہجوم تھا۔سڑکوں پر اس قدر گنجان ٹریفک اور پیدل لوگوں کی بھیڑ تھی کہ ان کی کار رینگنے کی رفتار سے چل رہی تھی۔جب اس مقام پر پہنچے جس کی

سیٹھ نے نشان دہی کی تھی تو گاڑی روک کر وہ ادھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگے۔ عمار نے اسے پہلے دیکھا اور ہاتھ ہلایا۔ وہ ایک دروازے سے نکلا اور دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔ عامر نے پیچھے کا دروازہ کھول دیا۔ وہ ہانپتا ہوا سیٹ پر آن گرا اور ایک کونے میں دھنس کر بیٹھ گیا۔ پسینے سے کپڑے شرابور تھے اور بے حد سہا ہوا تھا۔ شہر سے نکل کر عامر نے رفتار تیز کر دی۔ کھلی فضا میں ڈرائیو کرتے ہوئے وہ بھی تسکین اور تحفظ محسوس کر رہے تھے۔ شہباز خاں بھی جو پہلے ہر بات کا جواب ہاں یا ناں میں دے رہا تھا اب کھل کر بات کرنے لگا تھا اور مطمئن نظر آتا تھا۔

مگر یہ فضا دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ عمار نے خبر دی کہ تعاقب کیا جا رہا ہے!

عامر نے بیک ویو مرر میں دیکھا تو واقعی سرخ رنگ کی گاڑی ان کے پیچھے آ رہی تھی جس کا شوفر سفید یونیفارم پہنے ہوئے تھا۔

خفیہ چابی

کون ہے؟ شہباز سیٹھ نے خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

وہی سرخ رنگ کی کار ہمارے تعاقب میں ہے جس نے مجھے اغوا کیا تھا۔ یہ ضرور ہمارے پیچھے آپ کی فرم سے لگی ہوگی۔ عامر نے جواب دیا۔

تو پھر......؟ کچھ کرو بھائی! ان کے پاس تو خطرناک ہتھیار ہوں گے! شہباز سیٹھ نے روہانسی آواز میں کہا اور سیٹ میں اور بھی نیچے دھنس کر بیٹھ گیا۔لڑکے نے اسے تسلی دی۔

آپ فکر نہ کریں! ہمارے پاس مددگار دوستوں کا پورا دستہ موجود ہے۔ عامر نے کہا ار عمار نے اپنی جیکٹ کا کالر اوپر کر کے جیب کی طرف منہ جھکایا اور عامر سے بات کی۔

تم موقع پا کر پیچھے والی سرخ گاڑی کے اور ہماری گاڑی کے درمیان اپنی وین کو لے آؤ......عرفان! میری آواز سنی تم نے؟ عمار نے پوچھا۔

بالکل سن لی! ٹھیک ہے! اوور! عرفان نے جواب دیا۔

اتنے ہی میں سرخ روشنی کا سگنل ہوا۔سرخ گاڑی کو پیچھے رک جانا پڑا۔ عامر اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا۔سبز روشنی اور ٹریفک کھلا تو عرفان نے ایک دم سرخ گاڑی کو اوورٹیک کیا اور دونوں حیرف گاڑیوں کے درمیان آ گیا۔ اتنے ہی میں ایک دم ٹریفک کا رش بڑھ گیا اور سڑک پر کاروں اور مختلف قسم کی گاڑیوں کی پانچ قطاریں دریا کی صورت میں رواں نظر آنے لگیں۔سرخ گاڑی کچھ اس طرح ہجوم

میں گھر گئی کہ آگے نکلنا مشکل ہو گیا اور وہ مجبوراً معمولی رفتار سے چلتی رہی۔ مگر جونہی بھیڑ چھٹ گئی۔ سرخ گاڑی کی سپیڈ تیز ہو گئی اور اس نے عرفان کی وین کو اوورٹیک کر لیا اور لڑکوں کی کار کے برابر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ راستہ پانے کے لیے وہ کبھی دائیں طرف ہو جاتی کبھی بائیں طرف۔ مگر عامر اسے راستہ نہیں دے رہا تھا۔

آخر یہ کیا چاہتے ہیں آگے نکل کر؟ عامر نے پوچھا۔

خدا جانے ان کا کیا مقصد ہے؟ غالباً کوئی بم وغیرہ پھینکنا چاہتے ہوں گے جیسے آنٹی منصورہ کی گاڑی میں پتھر پھینکا تھا! عامر نے کہا۔

تو ایسا کرو اپنی طرف کا شیشہ چڑھا لو! عمار نے کہا۔

تم بھی چڑھا لو۔ ان خبیثوں کا کچھ پتہ نہیں۔ دونوں طرف سے نکل سکتے ہیں۔ عمار نے کہا اور شہباز نے بھی جلدی جلدی اپنی طرف کے شیشے اوپر کر لیے۔

کیا گینگ کے ہر ممبر کے پاس ویسی ہی گیس پھینکنے کی پنسل نما پچکاریاں ہیں جیسی اس دن آپ کے ہاتھ میں تھی؟ عمار نے پوچھا۔

ہاں تقریباً سب کے پاس ہیں۔ شہباز سیٹھ نے جواب دیا۔

اتنے ہی میں فراٹے کی آواز آئی اور جیسے ہی سرخ کار سڑک سے دائیں جانب ہٹی اور عامر کی کار کو اوورٹیک کرنا چاہا، جھٹ عرفان اپنی وین اس کی جگہ لے آیا۔ چند سیکنڈ دونوں گاڑیاں پہلو بہ پہلو چلتی رہیں۔ پھر عرفان نے گاڑی درمیان میں کر لی۔ عامر نے شیشے میں سے پیچھے نگاہ ڈالی تو خوشی سے نعرہ لگایا۔

آہو، جیو! وطن کے جیالوں کا دستہ آپہنچا!

اتنے ہی میں پھر پیچھے سے ٹریفک کا رش آ گیا اور عرفان کی وین کے ساتھ ہی تباہ کار گینگ کی سرخ گاڑی ایک تیز رواں جال میں پھنس کر رہ گئی۔ عامر کو موقع مل گیا۔ وہ تیزی سے موڑ پر چکر لگاتے ہوئے پل کے نیچے سے ہو کر واپس پھرا اور باب فیکٹری کی طرف جانے والے راستے پر چلنے لگا۔ چند ہی منٹ میں وہ فیکٹری کے سامنے رکے اور لڑکوں نے محسوس کیا کہ تحفظ کی فضا میں آتے شہباز سنبھل گیا ہے نہ صرف سنبھل گیا بلکہ اس کے بشرے پر پہلی سی چالاکی اور مکاری بھی عود کر آئی اور وہ خود اعتمادی کا اظہار کرنے لگا۔

انہیں فوراً ہی چیف کے کمرے میں پہنچا دیا گیا اور ایجنسی چیف عثمانی کے چہرے پر مارے جوش مسرت کے چمک دار سرخی جھلملانے لگی۔ اس نے موزوں لفظوں میں دونوں بھائیوں کی جرأت مندانہ کارگزاری کی تعریف کی تو شہباز سیٹھ نے مسکرا کر کہا۔

وقت کم ہے۔ اب اصل معاملہ کی طرف آیئے!

اصل معاملہ کیسا؟ چیف نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ واہ! اتنی جلدی بھول گئے؟ وہی میری شرائط اور دس لاکھ ڈالر مالیتی زمرد کا معاملہ۔ اور کیسا! شہباز نے تیوری چڑھا کر کہا۔

بھئی وہ تو ٹھیک ہے! اب تک مذکورہ زمرد تمہیں مل بھی چکا ہوتا۔ مگر جیولری کمپنی کا نمائندہ لے کر آ رہا تھا کہ راستہ میں اسے لوٹ کر زخمی کر دیا گیا وہ غریب اب تک ہسپتال میں پڑا ہے۔ بہر حال تمہاری شرائط منظور ہو گئیں۔ تم فی الحال ہمیں چند کوائف سے آگاہ کر دو جو فوری توجہ طلب ہیں۔

مثال کے طور پر تمہارے گینگ کا مقامی ہیڈ کون ہے اور اس کے لائحہ عمل میں فوری کارروائی کیا کیا ہے؟

یہ سن کر شہباز سیٹھ ہنس دیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔

اب میں ایسا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ میری زبان اسی وقت کھل سکتی ہے جب زمرد میرے ہاتھ میں آ جائے گا۔

ایک خاص خیال دونوں بھائیوں کے ذہن میں آیا اور باہمی اشاروں سے کوئی فیصلہ کر کے عمار بولا۔

سر! میں آپ کا فون استعمال کر سکتا ہوں؟

ہاں...... ہاں شوق سے...... ایجنسی چیف نے قدرے حیرت سے کہا اور عمار نے مسز درانی کا نمبر ڈائل کر کے بات کی۔

محترمہ! جب آپ نے شہباز جیولری کمپنی کے مالک شہباز سیٹھ سے اپنے بھائی کو ائیر پورٹ پر سے لا کر، حفاظت سے گھر پہنچانے کی درخواست کی تو کیا انھوں نے آپ سے ان کے ہوٹل کا پتہ پوچھا؟

اس نے ٹیلی فون پر بات کی تو ایجنسی چیف عثمانی سوالیہ انداز سے اس کی اور عامر کی طرف دیکھ رہا تھا مگر شہباز کی نگاہیں بے حد غضب ناک تھیں۔ عمار توجہ سے مسز درانی کی بات سنتا رہا۔

شکریہ! میں بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ میں نے یہ کیوں پوچھا؟ اور اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل میں رکھ دیا اور اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ عامر نے دبی زبان میں کچھ پوچھا تو وہ بلند آواز میں بولا۔

مسز درانی سے سیٹھ نے ان کے بھائی کا فون نمبر لیا اور ابرار درانی سے کچھ بات ہوئی یا نہیں اس سے تعرض نہیں۔ مگر انھوں نے اپنے گینگ کے کسی آدمی کو حکم دیا کہ ہوٹل میں درانی کو نشہ آور انجکشن دے اور ہدایت کرے کہ وطن پہنچ کر وہ اس کے دیئے پتہ پر پہنچ جائے جہاں انھوں نے ایک کمرے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ابرار درانی کے پہنچنے پر انھوں نے اس کا زمرد جو قیمت چیز اس نے اپنی بہن کو بتائی، یقیناً زمرد ہی تھا، ہتھیالیا اور ابرار کو بے ہوشی کی حالت میں سر پر ضرب لگا کر الماری میں ٹھونس دیا۔ جہاں کسی کی رسائی ممکن نہ تھی اور مضروب شخص کا اس حالت میں مر جانا یقینی تھا۔

یہ کیا بک رہے ہو تم......؟ سیٹھ شہباز چلایا۔

دیکھو شہباز! تمیز سے بات کرو! تم کہتے جاؤ۔ چیف عثمانی نے پہلے شہباز کو ڈانٹا، پھر عمار سے مخاطب ہوا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔

وہ زمرد انھوں نے عارف بھائی جیولرز کے پاس فروخت کیا۔ انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس کی مالیت دس لاکھ ڈالر ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایجنسی سے اتنی مالیت کے زمرد کا مطالبہ کیا۔ پھر اسی زمرد کو جوان کے لیے ایجنسی کے پاس بھیجا جا رہا تھا انھوں نے ایک بار پھر راستہ ہی میں اڑا لیا۔ اب اس کی دس لاکھ ڈالر قیمت کے علاوہ وہ زمرد تراشیدہ حالت میں پھر انہی کے قبضہ میں ہے اور اتنی ہی قیمت پر یہ پتھر ایجنسی سے طلب کر رہے ہیں۔

یہ سراسر بکواس ہے! شہباز سیٹھ غضب ناک ہو کر چیخا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس

لڑکے کو کچا چبا جاتا۔

ابھی دیکھ لیتے ہیں۔ اتنا کہہ کر ایجنسی چیف نے گھنٹی کا بٹن دبایا جس کے جواب میں دو باوردی تنومند جوان اندر داخل ہوئے۔

ان کی تلاشی لو۔ چیف نے حکم دیا اور شہباز کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں آدمیوں نے شہباز کی مزاحمت کے باوجود اسے بازو سے پکڑ کر نشست پر سے کھینچ لیا اور پوری تسلی سے اس کی تلاشی لی۔ مگر اس سے کوئی چیز بھی برآمد نہ ہوئی۔

بس اب تو تسلی ہو گئی تمہاری! وہ غصہ بھری آواز میں چیف کے ساتھ ساتھ دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے بولا۔

اتنی قیمت چیز ظاہر ہے تم ساتھ تو نہیں لیے پھرو گے۔ چیف نے کہا اور اس کے بٹوے کو کھول کر غور سے معائنہ کرنے لگا۔ ایک خفیہ پاکٹ کی زپ کھول کر اس کے اندر سے ایک چابی برآمد کی اور شہباز کو دکھاتے ہوئے پوچھا یہ کیسی چابی ہے؟

یہ...... یہ میرے لیٹر بکس کی چابی ہے۔ وہ بولا۔

بڑی حفاظت سے رکھتے ہو لیٹر بکس کی چابی! چیف نے کہا اور اپنے ایکسپرٹ کو فون کر کے بلایا۔

ہمارے پاس ہر قسم کی چابیوں کے ریکارڈ محفوظ ہیں۔ ابھی کمپیوٹر بتا دے گا کہ یہ کہاں کی چابی ہے! چیف مسکرا کر بولا۔ اور چابی ماہر کے سپرد کر دی۔ چند منٹ کے بعد کمپیوٹر سکرین پر کچھ عبارت نمودار ہوئی جس سے پتہ چلا کہ وہ شہر کے سب سے بڑے معتبر بنک کی ہیڈ برانچ میں لاکر نمبر ۲۵۷ کی چابی ہے شہباز کا رنگ فق ہو گیا اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

چیف نے وہ چابی عامر کو دیتے ہوئے حکم دیا کہ وہ دونوں بھائی جائیں اور جو کچھ اس میں لا کر موجود ہو، لے آئیں اور علاقہ کی پولیس چوکی کو فون کر کے ان کو ہر سہولت بہم پہنچانے اور حفاظت سے واپس پہنچانے کا حکم دیا۔

دونوں لڑکے عمارت سے باہر آئے۔ عمار اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ عامر چلایا۔

ٹھہرو عمار! ہٹ جاؤ گاڑی کے قریب سے!

وہ وہیل کی طرف کا دروازہ کھولنے نہیں پایا تھا کہ اس کی نگاہ گاڑی کے ہڈ پر پڑی جو ذرا سا اٹھا ہوا تھا حالانکہ اندر جانے سے پہلے اس نے دیکھا تھا کہ ہڈ پوری طرح بند تھا۔ عامر بھائی کا بازو پکڑ کر دوڑا تو عمار نے کھلے دروازے کو بے دھیانی سے زور سے دھکیل دیا۔ دروازے کا بند ہونا تھا کہ دھماکے سے کوئی چیز پھٹی اور لمحے بھر میں کار سرخ رنگ کے شعلوں میں لپٹ کر آگ کا بہت بڑا سا گیند نظر آنے لگی۔

سانپ کے چکر میں

وہ دونوں لڑکے واپس اندر آئے تو دھماکے کی آواز پر پوری عمارت میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ دس پندرہ آدمیوں کے ساتھ ایجنسی چیف باہر کی طرف لپکا چلا آ رہا تھا۔ عامر اور عمار نے انہیں اندر واپس چلنے کو کہا اور اپنی گاڑی میں دھماکہ ہونے کا واقعہ سنایا۔

ممکن ہے ان لوگوں نے ہمارا تعاقب کر کے معلوم کر لیا ہے کہ ہم شہباز کو یہاں لائے ہیں اب وہ اسے واپس لینے کے لیے مزید کارروائی کریں گے! عامر نے چیف سے کہا اور اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فون پر بات سنتے ہی چیف کی رنگت متغیر ہو گئی۔ کون ہو تم؟ انھوں نے غصہ سے پوچھا۔ مگر ٹیلی فون بند ہو گیا اور ساتھ ہی برقی رو فیل ہو گئی۔

ان بدبختوں نے ہمارے برقی اور ٹیلی فون کے سب تار کاٹ دیئے ہیں اور ہمارے رابطے منقطع کر دیئے۔ وہ کہہ رہا تھا اس کے آدمیوں نے عمارت کے گرد بم دبا دیئے ہیں۔ جو چند ہی منٹوں میں شہباز سمیت ہم سب کو اڑا کر راکھ کر دیں گے! اب کیا ہو؟ ہمارے پاس تو کچھ دفاع کرنے کی بھی مہلت نہیں، آدھ گھنٹہ بھی ہوتا تو ہم ان بموں کو ناکارہ کرنے کی کوشش کرتے۔ چیف افسردگی سے کہہ رہا تھا اور ہر شخص کے چہرے پر جیسے مردنی چھائی ہوئی تھی۔

اتنی مہلت دلوانے کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ عمار نے کہا۔

وہ کیسے؟ چیف حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

ہم صلح جوئی کے لیے باہر نکل کر انہیں کچھ دیر باتوں میں الجھائے رکھیں گے۔ اتنے میں آپ اپنے آدمیوں سے کہیں اپنی کارروائی کریں۔عمار نے کہا تو عامر نے بھی تائید کی۔لیکن چیف انہیں خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔عامر نے اسے حیل وحجت کرتے دیکھا تو بولا۔

عمار کی تجویز ٹھیک ہے چیف! اس کے سوا چارہ کار نہیں۔آؤ عمار! اور اس سے پہلے کہ کوئی بولتا، وہ دونوں تیز چلتے ہوئے باہر نکل آئے۔دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے۔اور سفید رومال لہرا رہے تھے۔دونوں ایک نمایاں جگہ پر کھڑے ہو گئے۔

چند لمحے ہی گزرے تھے کہ درختوں کے جھنڈ سے ایک وردی پوش لمبا تڑنگا آدمی نکل کر ان کے قریب آیا تو انھوں نے پہچانا کہ وہ سرخ کار والا شوفر تھا۔

آؤ میرے ساتھ! وہ بولا اور انہیں لیے ہوئے پھر جھنڈ کی طرف چلا۔درختوں کے درمیان ایک قطعے پر پانچ آدمی کھڑے تھے۔ان میں سے جو نقاب میں تھا وہی ان سے مخاطب ہوا۔آواز پہچانی ہوئی تھی۔جسے سن کر دونوں حیران ہوئے۔وہ کہنے لگا۔

تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ لڑکوں نے توقف کیا تو وہ کرختگی سے بولا۔

کچھ کہنا بھی ہے یا محض وقت لینے کی خاطر ہمیں باتوں میں لگانے آئے ہو؟

لڑکوں نے دیکھا کہ اس کے تیور اچھے نہیں۔

عا...... عامر...... عمار ہکلایا تو سب اس کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے۔وہ اپنے سامنے بے حد ہراساں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا...... سس...... سانپ گھاس میں تین غنڈوں کی اس طرف پشت تھی۔وہ تینوں جن میں نقاب

پوش بھی تھا معاً پیچھے پھرے۔ عمار نے پلٹ کر ایک ٹھوکر سے ایک کو منھ کے بل گرایا اور نقاب پوش کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ سب لمحہ بھر کے لیے ششدر سے رہ گئے مگر پھر سنبھلے اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ عامر نے جیب سے پنسل نما گیس کا آلہ نکال کر گیس کا فوارہ ان پر پھینکا مگر کسی نے اس کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور وہ پنسل دور جا پڑی۔ اتنے ہی میں درختوں کی چھدری شاخوں میں سے انہیں سڑک پر ایک کار رکتی نظر آئی۔ جس میں سے دو آدمی اترے جو اترتے ہی آوازیں سن کر اس طرف دوڑے۔

یہ شہاب زیدی اور ان کا اسسٹنٹ شریف میاں تھے۔ انہیں دیکھ کر جہاں لڑکوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ وہاں دشمن بھی محتاط ہو گئے۔ نقاب پوش نے جیب سے واکی ٹاکی نکالی اور اپنے مزید چھ آدمیوں کو بلا لیا۔ ادھر باب کا پورا عملہ بھی چیف کی قیادت میں منظم ہو کر نکل آیا اور گیارہ غنڈوں کو گھیرے میں اس طرح پھانس لیا کہ وہ بے بس ہو گئے۔ شہاب زیدی آگے بڑھ کر نقاب پوش کا چہرہ بے نقاب کرنے لگے تو عامر بولا۔

ہم نہیں نقاب میں بھی پہچان چکے ہیں۔ یہ یونیورسل جیولر والے عارف بھائی ہیں۔

بے نقاب ہو کر تباہ کار گینگ کا مقامی باس لڑکوں کو گھورتے ہوئے بولا۔

مجھے معلوم ہوتا تو میں ان سنپولیوں کو اس دن کچل دیتا جس دن یہ میرے دفتر میں آئے تھے۔ اس پر دونوں بھائی ہنسنے لگے۔ اور ایجنسی چیف کے سپاہیوں نے سب کو ہتھکڑیاں پہنا دیں اور لڑکے زمرد برآمد کرنے بینک پہنچے اور جلد ہی وہ قیمتی جواہر لے آئے مگر اب وہ اصلی مالک ابرار درانی کے سپرد کرنا تھا۔

شہباز کو بجائے انعام کے سزا کا مستحق قرار دیا گیا۔

اس رات عامر اور عمار خوب بے فکری کی نیند سوئے۔ صبح اٹھے تو ان کے بنگلے کی ڈرائیو پر ویسی ہی چیک دار نیلی کار موجود تھی جو عشرت جیولری کمپنی والوں نے ان کے لیے تحفہ میں بھیجی تھی۔

شہاب زیدی نے اپنے بیٹوں کو بتایا کہ وہ بھی مشرق وسطیٰ کے دو ملکوں میں تباہ کار گینگ کے دو سرغنوں کو گرفتار کر کے لائے ہیں اور اب اس گینگ کا زور یکسر ٹوٹ چکا ہے۔

وہ ابھی ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ابرار درانی اپنی بہن کے ہمراہ انہیں ملنے اور شکریہ ادا کرنے آئے۔ ابرار درانی کا نایاب زمرد اسے واپس مل چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ الخضر ہوٹل میں جب وہ شہاب صاحب کے فون کا سن کر پہنچے تو پودوں کے سکرین کے پیچھے کوئی اجنبی موجود تھا۔ اس نے پنسل نما پچکاری سے اس کی طرف گیس کا فوارہ سا پھینکا اور پھر اسے دو تین بار ایک خاص ایڈریس بتایا کہ ائیر پورٹ سے فلاں مکان میں چلے جانا۔ اس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ خواب میں چل رہا ہے۔ اس پر ہپناٹزم کی کیفیت طاری تھی۔

شہاب زیدی نے عامر اور عمار کے پوچھنے پر بتایا کہ ابرار درانی کے ہاتھ انھوں نے جو کارڈ بھیجا تھا اس میں باب اور بازشا کے باہمی رابطہ اور تباہ کار گینگ کے خاص علامتی مونوگرام یعنی تین ایکس والے کھیل ٹک ٹیک ٹو کی طرف اشارہ تھا جسے لڑکے بروقت سمجھ نہ سکے اور تین ایکس کے خطرناک چکر میں پھنس گئے۔

-----------ختم شد-----------